تین ننّھے سُراغ رساں
اور
بولتی ممی

تین ننھے سراغ رساں

اور

بولتی ممّی

مقبول جہانگیر

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴روپے

پُراسرار خط

تینوں سراغ رساں اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھے۔ سراغ رساں نمبر نمبر ایک عنبر، سراغ رساں نمبر دو نسیم اور سراغ رساں نمبر تین عاقِب۔ اس روز اُن کے اسکول میں چھٹّی تھی، اور جس روز چھٹّی ہوتی، وہ سارا دن ایک جگہ گزارتے تھے۔ لٰہذا نسیم اور عاقِب عنبر کے گھر آئے ہوئے تھے اور یہیں اُن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ مکان کے مغربی حصّے میں، سب سے پیچھے، ایک الگ تھلگ کمرا، اس میں ایک چھوٹی سی میز، تین کُرسیاں، ایک ٹائپ رائٹر، ضروری کاغذ، خط اور کتابیں رکھنے کے لیے لوہے کی چھوٹی سی الماری

اور ایک ٹیلے فون۔ قریب، چھوٹے سے ڈیسک پر پرانے فیشن کا ایک ریڈیو جس کے اندر عنبر نے ایک ننھا سا مائیکروفون لگا کر اس کا تار لاؤڈ سپیکر سے جوڑ دیا تھا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ جب بھی کوئی شخص انہیں ٹیلے فون کرتا تو اس کی آواز ریڈیو کے لاؤڈ سپیکر پر اُن تینوں کو سنائی دیتی تھی۔

اس ہیڈ کوارٹر کے ساتھ ہی عنبر نے لکڑی کا ایک چھوٹا سا کیبن بنا رکھا تھا۔ اسے فوٹو گرافی کا شوق بھی تھا اور لکڑی کا یہ کیبن ڈارک روم کی حیثیت سے استعمال میں آتا تھا۔ یہاں وہ اپنی اُتاری ہوئی تصویر کے پرنٹ نکالتا، انہیں انلارج کرتا اور اس طرح کے مختلف کام کرتا تھا۔

صبح کچھ دیر وہ لان میں بیڈ منٹن کھیلتے رہے۔ اس کھیل سے طبیعت اُکتائی تو کیرم بورڈ لے کر بیٹھ گئے۔ کیرم بورڈ سے جی اُچاٹ ہوا تو تعلیمی تاش کھیلنے کی سوجھی۔ ابھی انہوں نے ایک دو بازیاں ہی کھیلی تھیں کہ عنبر کی خالہ نے کہا:

"ارے لڑکو! یہ کیا تماشا ہے؟ صبح سے دوپہر ہونے کو آئی اور تمہارے

کھیل تماشے ختم ہونے میں نہیں آتے۔ خدا جانے یہ تمہارا اسکول موا کیسا ہے۔ جب دیکھو چھٹّی، جب سنو چھٹّی۔ کبھی کچھ پڑھ لکھ بھی لیا کرو کچھ۔"

"خالہ جان لکھنے پڑھنے کے لیے ساری زندگی پڑی ہے۔ یہ دن تو ہمارے کھیلنے کھانے کے ہیں۔" نسیم نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "آپ نے سنا نہیں، ایک شاعر نے کتنا اچھا شعر کہا ہے۔"

"کیا شعر کہا ہے اس نے، ذرا میں بھی تو سنوں؟" خالہ جان نے پوچھا۔

"سنئے، شاعر کہتا ہے۔

پڑھو گے، لکھو گے تو ہو گے خراب

جو کھیلو گے، کودو گے، ہو گے نواب"

بس اب اسی شعر پر حلوا پکا کر کھلایئے، ہم تینوں کو۔" نسیم نے کہا۔

"ضرور کھلاؤں گی تمہیں حلوا۔" خالہ جان نے ہنس کر جواب دیا۔ "ویسے

بیٹا تم نے شعر کا حُلیہ بگاڑ دیا۔ شاعر نے تو اس طرح کہا تھا۔

جو کھیلو گے، کودو گے، ہوگے خراب

پڑھو گے، لکھو گے، بنو گے نواب۔

پھر وہ عنبر سے کہنے لگیں۔ ”بیٹا، تم اتنے میں اپنے خالو کی دکان پر ہو آؤ۔ ایک ضروری فائل وہ گھر ہی پر بھول گئے ہیں۔ ممکن ہے اس فائل کی وجہ سے اُن کے کام کا ہرج ہو۔ جاؤ بیٹا، جلدی سے چلے جاؤ۔ تمہاری واپسی تک کھانا اور حلوا دونوں چیزیں تیّار ہوں گی۔“

عنبر فائل لے کر روانہ ہوا۔ پہلے اس نے سوچا کہ ٹیلے فون کر کے اللہ داد ڈرائیور کو مرسیڈیز کار سمیت طلب کر لے اور ذرا شان و شرکت سے خالو جان کی دکان پر جائے مگر پھر اس نے یہ ارادہ چھوڑ دیا۔ بھلا اس قسم کی چھوٹی شان و شوکت کا کیا فائدہ۔ اس نے اپنی سائیکل سنبھالی اور چل پڑا۔

نسیم اور عاقِب بھی ہیڈ کوارٹر سے نکلے اور عنبر کو رُخصت کرنے سڑک

تک آئے۔ عنبر سائیکل چلاتا ہوا دور چلا گیا تو دوسری جانب سے ڈاکیا آتا دکھائی دیا۔ قریب آن کر اس نے دو لفافے نسیم کی طرف بڑھائے۔

"آج کی ڈاک میں صرف دو ہی خط ہیں؟" نسیم نے پوچھا۔

"جناب، جتنے بھی خط تین ننھے سراغ رسانوں کے نام پر آتے ہیں، وہ سب احتیاط سے آپ کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچا دیے جاتے ہیں۔" ڈاکیے نے جواب دیا۔ "آج اتّفاق سے دو ہی خط آئے۔"

"خیر، آپ کا بہت بہت شکریہ۔" نسیم نے کہا اور دونوں لفافوں پر باری باری نگاہ ڈالی، اور پھر ایک دم چلّایا۔ "ارے! یہ لفافہ تو ضیغم خان (ضیغم خان کون تھا؟ یہ جاننے کے لیے اسی سلسلے کا پہلا ناول پڑھیے جس کا نام ہے تین ننھے سراغ رساں بھوت محل میں) کی طرف سے آیا ہے۔ ذرا دیکھیں تو سہی، اس نے کیا لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے بھوت محل میں کوئی اور واردات ہوئی ہو۔"

"ذرا ٹھہرو۔" عاقِب نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "پہلے دوسرا لفافہ کھولو۔ ضیغم

خان کے خط میں واقعی کوئی اہم بات ہو گی اس لیے ہم اس خط کو آخر میں پڑھیں گے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ جب تک عنبر واپس نہ آ جائے کوئی لفافہ نہ کھولیں۔"

"دیکھو، میرے صبر کا امتحان نہ لو۔" نسیم نے چِڑ کر کہا۔ "میں ابھی اور اسی وقت یہ لفافہ کھول کر خط پڑھوں گا۔"

"یہ لفافہ نہیں۔۔۔۔۔دوسرا۔۔۔۔" عاقِب نے پھر کہا۔

"چلو، یہی سہی۔" نسیم نے اس کی بات مان کر دوسرا لفافہ کھولنے کا ارادہ کیا۔ لیکن عاقِب نے جلدی سے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور کہنے لگا۔ "لاؤ، میں کھولتا ہوں۔ بعض اوقات ایسے لفافے بھی بہت کچھ بتا دیتے ہیں، بشرطِ کہ ان پر غور کیا جائے۔"

"کیا خوب۔" نسیم نے طنزیہ کہا۔ "گویا تم لفافہ دیکھ کر ہی سراغ لگا سکتے ہو کہ لکھنے والا کون ہے؟"

"ہاں، میں کوشش کروں گا۔" عاقِب نے جواب دیا اور لفافے کو اُلٹ پلٹ کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے ناک لگا کر اُسے سونگھا۔ اس کی اس حرکت پر نسیم ہنسے بغیر نہ رہ سکا، مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ پھر اس نے پتے پر نگاہ دوڑائی۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ اس کے بعد لفافہ چاک کر کے اندر سے تہہ کیا ہوا خط نکالا۔ اسے بھی سونگھا۔ پھر مُسکرایا اور نسیم سے کہنے لگا۔

"لو جی سنو۔ یہ خط ایک ایسی عورت نے لکھا ہے جس کی عمر چالیس اور پچاس برس کے درمیان ہے۔ چھوٹے قد کی ہے اور اس کا بدن کسی قدر بھاری ہے۔ وہ اپنے بالوں میں خضاب لگانے کی عادی ہے۔ اور اسے باتیں کرنے کی بھی لَت ہے۔ یعنی بے حد باتونی ہے۔ اس کے علاوہ اسے بلّیاں پالنے کا شوق بھی پاگل پن کی حد تک ہے۔ جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں خط لکھنے والی یہ عورت خاصی ہوشیار ہے۔ مگر کبھی کبھی بے پروائی سے کام لیتی ہے۔ اس نے ہمیں جس وقت یہ خط لکھا، اس وقت وہ بے حد پریشان اور بے چین تھی۔"

نسیم کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے کہا۔ ”بھئی خط تو تم نے ابھی تک پڑھا نہیں۔ لفافے کو اور ایک مرتبہ تہہ کیے ہوئے خط کو سونگھا ہے، پھر تمہیں ان سب باتوں کا کیونکر پتا چل گیا؟“

”بہت آسانی سے۔“ عاقِب نے ہنس کر جواب دیا۔ ”تم بھی مشاہدے کی عادت ڈال لو تو آسانی سے ایسی باتیں جان سکتے ہو۔ اور ہاں، یہ میں بتانا تو بھول ہی گیا کہ یہ عورت دولت مند بھی ہے اور خیرات زکوٰۃ کے معاملے میں بھی فراخ دل ہے۔“

”تم نے تو شرلاک ہومز کو بھی مات کر دیا۔“ نسیم نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”تعجّب ہے! یہ تمام باتیں صرف لفافے اور خط کو سونگھ کر تمہیں معلوم ہو گئیں۔ لاؤ، ذرا میں بھی سونگھوں۔“ عاقِب نے لفافہ اور تہہ کیا ہوا خط نسیم کے حوالے کیا۔ اس نے دونوں کاغذ ناک سے لگائے اور آنکھیں بند کر کے نتھنوں سے سانس اندر کھینچا۔ پھر گھبرا کر بولا۔ ”لاحول ولا قوۃ۔۔ اس میں سے تو واقعی خضاب کی بُو آرہی ہے اور ظاہر ہے خضاب لگانے والی

عورت جوان تو ہو ہی نہیں سکتی۔ ضرور چالیس پچاس سال کی بڑھیا ہو گی۔ یہ بتاؤ کہ تم نے دوسری باتیں کیسے معلوم کیں؟"

"سُنو۔۔۔۔اور مانو کہ میں اُستاد ہوں تمھارا۔" عاقِب نے کہا۔ "یہ دیکھو، اس خط کے اوپر کونے میں بلّی کے دو بچّوں کی تصویر چھپی ہوئی ہے۔ اس قسم کے کاغذ بازار میں عام بکتے ہیں اور انہیں وہی لوگ خریدتے ہیں جنہیں بلیوں سے دل چسپی ہے۔ یہ ہوئی پہلی دریافت۔ اب ذرا ٹکٹوں پر غور کرو جو اس عورت نے لفافے پر چپکائے ہیں۔ ان کے کنارے پھٹے ہوئے ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ محترمہ کچھ بے پروا بھی واقع ہوئی ہیں۔ یہ ہوئی دوسری دریافت۔ اب رہی خضاب کی بات، تو وہ تم نے خود ہی بوجھ لی کہ لفافے اور خط دونوں میں سے اس کی بُو آ رہی ہے۔ اب آؤ طرزِ تحریر کی طرف۔ پتا دیکھ ہی رہے ہو۔ اس نے لکھتے وقت لائن سیدھی رکھنے کی کوشش کی، مگر آخری حروف ابتدائی حرفوں کے مقابلے میں اُوپر کی طرف اُٹھے ہوئے ہیں۔ ایسی تحریر کے بارے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ

اِس طرح لکھنے والے عام طور پر خوش مزاج اور سخی ہوتے ہیں۔ اب پتے کے آخر پر غور کرو۔ حروف نیچے کی جانب جھکے ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والی پریشان ہے۔۔۔۔"

"ٹھیک۔۔۔۔۔ بالکل ٹھیک۔" نسیم نے مُسکرا کر کہا۔ "مان گئے تمھیں اُستاد۔ مگر اب یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے اندازہ کر لیا کہ وہ عورت چھوٹے قد کی اور موٹی ہے؟ اس کے علاوہ وہ دولت مند بھی ہے اور محتاجوں کو خیرات زکوٰۃ دینے میں بھی کنجوسی سے کام نہیں لیتی؟"

"بہت آسان بات ہے۔" عاقِب نے جواب دیا۔ "اگر تم ذرا بھی غور کرتے تو یہ باتیں خود جان سکتے تھے۔ خط لکھنے والی نے لفافے کی پُشت پر ایک کونے میں ۱۲۲ سمن زار کالونی۔ شاداب نگر۔ سمن زار کالونی میں تم جانتے ہو، بڑی بڑی عالی شان کوٹھیاں ہیں اور وہاں رہنے والے سبھی لوگ دولت مند ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اکثر مال دار عورتیں خیر خیرات کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی ہیں، کیوں کہ اُن کے پاس فالتو وقت

بہت ہوتا ہے اور کے گھر کا کام کاج نوکر ہی کرتے ہیں۔ اور چوں کہ یہ محنت مشقّت نہیں کرتیں، اس لیے عام طور پر ان کا بدن موٹا ہو جاتا ہے اور جب بدن موٹا ہو جائے تو قد چھوٹا دکھائی دینے لگتا ہے۔"

"زندہ باد!" نسیم نے خوش ہو کر کہا۔ "آج مجھے ہوا کہ بے وقوف لوگ بھی ذہین ہو سکتے ہیں۔"

"گویا میں بے وقوف ہوں۔" عاقِب نے کہا۔

"ہوں نہیں، تھے کہو۔" نسیم نے قہقہہ لگایا۔ "اچھا، اب زیادہ عقل مندی مت چھانٹو اور خط پڑھو کہ ان بڑی بی نے لکھا کیا ہے۔"

عاقِب نے تہہ کیا ہوا خط کھول کر پڑھنا شروع کیا:

"پیارے بچّو! خدا تمھیں سلامت رکھے۔ بیگم مریم ایک پرانی سہیلی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ پچھلے دِنوں تم لوگوں نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور یہ کہ بیگم مریم کا طوطا تلاش کر کے دکھایا۔ اس کے علاوہ ایک چور کو

بھی گرفتار کرایا۔ خدا کے لیے میری مدد بھی کرو۔ میں پریشان ہوں۔ پچھلے دِنوں میری پالتو بلّی کھو گئی۔ بہت تلاش کیا، مگر کہیں نہ ملی۔ پولیس نے بھی بڑی کوشش کی۔ لیکن بلّی نہ جانے کہاں چلی گئی ہے کہ اُس کا کچھ سُراغ نہیں مل رہا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر تم نے میری پیاری بلّی کو ڈھونڈ نکالا تو معقول انعام دوں گی۔ میں اپنا پتا بھی لکھ رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے جواب دو کہ تم کب تک میری بلّی ڈھونڈ سکو گے۔ بہت بہت دُعاؤں کے ساتھ۔۔۔ بیگم زیب علی۔"

"سبحان اللہ!" نسیم نے خط سُن کر کہا۔ "اب زندگی بھر ان بیگموں کے طوطے، بلّیاں اور کتّے ہی ڈھونڈتے پھریں۔۔ لیکن یہ عورت، جیسا کہ تم نے کہا دولت والی ہے۔ ہو سکتا ہے ہمیں بلّی ڈھونڈنے کے ہزار دو ہزار روپے دے دے۔ لہٰذا یہ کام ہاتھ میں لینا ہی پڑے گا۔ ذرا ٹیلے فون ڈائریکٹری تو اُٹھاؤ۔ میں بیگم زیب علی کا نمبر دیکھ کر انہیں ٹیلے فون کرتا ہوں کہ ہم بلّی ڈھونڈنے کے لیے تیّار ہیں۔ وہ ہمیں اس کام کے کتنے پیسے

دیں گی۔"

"ٹھہرو، ٹھہرو۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش نہ کرو۔" عاقِب نے کہا۔ "پہلے ضیغم خان کا خط تو پڑھ لو۔ ممکن ہے اس نے اس سے بھی اہم بات لکھی ہو۔ یوں تو وہ کسی کو خط لکھنے والا آدمی نہیں۔"

"ہاں، یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ میں ضیغم خان کو تو بھول ہی گیا تھا۔" نسیم نے کہا۔ عاقِب نے بیگم زیب علی کا خط میز پر رکھ کر احتیاط سے دوسرا لفافہ کھولا۔ اس میں سے نہایت نفیس کاغذ نکلا۔ کاغذ پر بائیں جانب خُوب صُورت حروف میں ضیغم خان کا نام اور پتا چھپا ہوا تھا۔ نیچے صرف چند سطریں تھیں۔ پہلی سطر پڑھتے ہی عاقِب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس نے جلدی سے خط نسیم کی طرف بڑھا دیا۔ نسیم نے اسے پڑھا اور اس کی بھی وہی حالت ہوئی جو عاقِب کی ہوئی تھی۔

"خدا کی پناہ! تین ہزار برس پرانی انسانی لاش بولتی ہے!" نسیم نے کانپ کر کہا۔ "باپ رے باپ۔۔۔!"

”ہاں۔۔۔۔۔۔۔ لکھا تو یہی ہے۔“ عاقِب نے خط دوبارہ پڑھا۔ ”اگر ضیغم خان نے یہ بات نہ لکھی ہوتی تو میں قیامت یقین نہ کرتا۔ مگر اب تو کرنا ہی پڑے گا۔“ مگر۔۔۔۔۔۔ سوال یہ ہے کہ تین ہزار برس پرانی انسانی لاش بھلا کیسے بول سکتی ہے!“ نسیم نے کہا۔

”یہی مسئلہ تو ہمیں حل کرنا ہے۔“ عاقِب نے جواب دیا۔

”اسے تم اور عنبر ہی حل کرنا۔“ نسیم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ”مجھے معاف کرو۔ میں اس جھنجھٹ میں نہیں پڑتا۔ لو صاحب، اب لاشیں بھی بولنے لگیں۔ الٰہی توبہ!“

لاش بولتی ہے!

شاداب نگر سے کوئی دس یا بارہ میل دور، سمندر کے نزدیک، اُونچی نیچی چٹانوں پر، کسی زمانے میں مکان بنے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ یہاں کچھ لوگوں نے بھی اپنی کوٹھیاں بنوا لیں اور دیکھتے دیکھتے اچھی خاصی بستی آباد ہو گئی۔ شہر کے غبار ے سے دُور، اس ویران علاقے میں زیادہ تر ان لوگوں نے اپنے مکان تعمیر کرائے تھے جو ہنگامہ پسند نہیں کرتے تھے۔ ان میں سائنس دان اور مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر تھے۔ یہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے۔ انہی لوگوں میں پروفیسر

دانش مند بھی شامل تھے۔ انہیں آثارِ قدیمہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ دنیا کے تمام مشہور آثارِ قدیمہ دیکھ چکے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنّف بھی تھے۔ پروفیسر دانش مند نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ مصر میں گزارا تھا، جہاں مصری بادشاہوں (فرعونوں) کے ہزاروں سال پُرانے مقبرے دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ خود پروفیسر دانش مند نے بھی فرعونوں کے اکثر مقبرے دریافت کیے تھے اور ان مقبروں میں پائی جانے والی بہت سی لاشوں کو قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھوایا تھا۔ ان لاشوں کو ممّی کہتے ہیں۔ آج سے ہزاروں برس پہلے مصریوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے بادشاہوں کی لاشوں کو مسالے لگا کہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مرنے کے بعد یہ بادشاہ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ ان مرے ہوئے بادشاہوں کے ساتھ مصری لوگ ان کے لونڈی غلاموں کو بھی مقبروں میں دفن کر دیتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں، کپڑے، میزیں، کُرسیاں، برتن، حتیٰ کہ سونے چاندی اور ہیرے جواہر بھی ان مقبروں میں دفن کر دیے جاتے تھے۔ مصریوں کو یقین تھا کہ جب یہ مرے ہوئے بادشاہ کسی

زمانے میں زندہ ہوں گے تو انہیں ان تمام چیزوں کی دوبارہ ضرورت پڑے گی۔

پروفیسر دانشمند مختلف مقبروں کی کھدائی کرنے کے بعد مصر سے بے شمار پرانی چیزیں لے کر آئے تھے اور انہوں نے اپنے مکان کے ایک حصّے میں یہ چیزیں سجادی تھیں۔ انہی میں ایک ممّی بھی تھی۔ کوئی تین ہزار برس پرانی۔ کسی شخص کی لاش، جسے اس زمانے کے لوگوں نے عجیب و غریب مسالے لگا کر محفوظ کر دیا تھا۔ یہ ممّی لکڑی کے ایک بڑے صندوق میں بند تھی جس کا ڈھکنا ضرورت کے وقت اٹھایا جا سکتا تھا تاکہ جو لوگ پروفیسر دانش مند کے عجائب گھر کی سیر کرنے آئیں، وہ اس کو دیکھ سکیں۔

پروفیسر دانش مند ساٹھ برس کا ایک موٹا تازہ آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں پر ہر وقت عینک چڑھی رہتی تھی، جس کا فریم سونے کا تھا۔ ایک روز دوپہر کے وقت وہ اپنے عجائب گھر کا معائنہ کر رہا تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ پروفیسر کے ساتھ اس وقت ایک نوکر بھی تھا جس کا کام کھانا پکانے کے علاوہ عجائب گھر کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ اس کا نام تھا نادِر خاں، وہ

دُبلا پتلا اور لمبے قد کا آدمی تھا۔ پروفیسر دانش مند کو اس پر بڑا اعتماد تھا، کیوں کہ وہ کئی برس سے اس کی نوکری کر رہا تھا اور اس کے خلاف کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔

پروفیسر دانش مند گھُومتے گھامتے اس کمرے میں آیا جہاں مصر سے لائی ہوئی اس ممّی کا صندوق پڑا تھا۔ پروفیسر نے دیکھا کہ کمرے کی تمام کھڑکیاں بند ہیں۔ اُس نے فوراً گھبرا کر نادِر خاں سے کہا:

"سب کھڑکیاں کھول دو۔۔۔۔۔ تازہ ہوا اندر آنے دو۔ مجھے اس قسم کے بند کمروں سے سخت نفرت ہے۔"

پروفیسر کی یہ بات سچ تھی۔ اسے بند کمروں سے بڑی وحشت ہوتی تھی، کیوں کہ ایک مرتبہ مصر میں وہ کسی فرعون کے مقبرے کی کھدائی کے دوران تہہ خانے میں بند ہو گیا تھا۔ وہ تو یوں کہو کہ اس کی زندگی کے دن ابھی باقی تھے، اس کے ساتھیوں کو جلد ہی اس کی گُمشدگی کا پتا چل گیا ورنہ وہ دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاتا۔

بہر حال، نادِر خان نے اپنے آقا کا حکم پاتے ہی جھٹ پٹ ساری کھڑکیاں کھول دیں۔ اس کے بعد پروفیسر نے کہا کہ ممّی کے صندوق کا ڈھکنا اٹھایا جائے۔ نادِر خان نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ پھر وہ دونوں صندوق میں جھانک کر لاش کو دیکھنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص گہری نیند سو رہا ہے۔ یہ یقین کرنا بڑا مشکل تھا کہ یہ لاش تین ہزار برس پرانی ہے۔ اس کے سوکھے ہوئے چہرے پر زردی پھیلی ہوئی تھی۔ ہونٹ ذرا سے کھلے تھے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔ ڈھکنے پر ممّی کا نام رااِر قن کھُدا ہوا تھا۔

"رااِر قن گہری نیند میں ہے، جناب۔" نادِر خاں نے کہا۔ "ممکن ہے آپ کو وہم ہوا ہو۔"

"نہیں، نادِر خان ۔۔۔۔۔ وہ وہم نہیں تھا۔" پروفیسر دانش مند نے غور سے ممّی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے اپنے کانوں سے رااِر قن کی آواز پچھلے دن سُنی تھی۔ اس وقت تم یہاں نہیں تھے اور میں اس کمرے میں اکیلا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے تین ہزار برس پرانی لاش نے مدھم آواز میں مجھے کہا ہے۔ وہ ایک پراسرار اور نہ سمجھ میں آنے والی

زبان تھی۔۔۔۔۔ لیکن یہ اندازہ ضرور ہوتا تھا کہ وہ کوئی اہم بات ہے۔۔۔۔ یہ لاش مجھے کوئی کام کرنے کا حکم دے رہی ہے۔۔۔۔۔ مگر افسوس کہ میں وہ زبان نہیں سمجھ سکا۔"

یہ کہہ کر پروفیسر صندوق پر جھُکا اور کہنے لگا۔ "راارقن! اگر تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو۔ میں سُن رہا ہوں۔ میں تمہاری بات سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

کئی لمحے گُزر گئے۔ کوئی آواز سُنائی نہ دی۔ پروفیسر نے چند لمحے انتظار کے بعد پھر وہی جملہ کہا۔ "راارقن بولو بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں تمہاری بات سننے اور سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

کمرے کی خاموشی میں صرف ایک مکّھی کے اُڑنے کی آواز گونج رہی تھی۔ پروفیسر دانش مند نے نادِر خان سے کہا۔

"ہو سکتا ہے، یہ میرا وہم ہی ہو۔ بہرحال میں اپنا شُبہ دُور کرلینا ہی مناسب سمجھتا ہوں۔ تم دوڑ کر باورچی خانے سے چھوٹی آری لے آؤ۔ میں اس

صندوق کی لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا کاٹ کر اپنے دوست ڈاکٹر فرمان کو دینا چاہتا ہوں۔ وہ تجربہ کر کے بتائے گا کہ یہ صندوق کتنا پرانا ہے؟"

"بہت بہتر، جناب۔" نادِر خان نے جواب دیا اور تیز تیز اٹھاتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ پروفیسر دوبارہ ممّی کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ کمرے میں ایک پراسرار آواز پھیل رہی ہے جیسے کوئی رُک رُک کر کسی نامعلوم زبان میں کچھ کہہ رہا ہو۔ پروفیسر چونک اٹھا اور اس نے جھُک کر ممّی کو غور دیکھنا شروع کیا۔ وہ مدھم آواز ممّی کے کھلے ہونٹوں سے نکل رہی تھی۔ اس میں شک اور شُبے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ لیکن وہ ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ شاید یہ لاش تین ہزار برس پرانی زبان بول رہی تھی۔ تاہم جس انداز میں وہ الفاظ ادا ہو رہے تھے اس سے پروفیسر کے لیے یہ سمجھنا کچھ دشوار نہ تھا کہ لاش اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے۔

پروفیسر کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے اور اس نے جھُک کر اپنا ایک کان ممّی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ آواز برابر سنائی دے رہی تھی، جیسے کوئی پیغام

دیا جارہا ہو۔ لیکن یہ زبان کون سی تھی؟ ایک آدھ لفظ پروفیسر کی سمجھ میں آیا اور اس نے خیال کیا کہ شاید عبرانی زبان ہے یا پھر عربی۔

"راارقن۔۔۔۔۔۔ بولتے رہو۔۔۔۔۔ میں سُن رہا ہوں۔" پروفیسر نے کہا۔ "بولتے رہو۔۔۔۔۔ میں سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"جنابِ عالی! پروفیسر صاحب!"

یہ الفاظ کسی نے پروفیسر دانش مند سے کہے وہ جلدی سے مُڑا اور عین اسی لمحے راارقن خاموش ہوگیا۔ پروفیسر نے دیکھا کہ نادِر خان ہاتھ میں چھوٹی سی آری لیے کھڑا ہے۔

"نادِر خان! نادِر خان!" پروفیسر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "ابھی ابھی راارقن نے بولنا شروع کیا تھا۔ جُوں ہی تم کمرے سے باہر گئے، ممّی اپنا پراسرار پیغام دہرانے گی۔ مگر تمہارے واپس آتے ہی چُپ ہوگئی۔"

نادِر خان کی پیشانی پر غور و فکر کی گہری لکیریں پھیل گئیں۔ وہ بے حد سنجیدہ، بلکہ پریشان دکھائی دیتا تھا۔

”جناب، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ ممّی صرف آپ کی موجودگی میں اپنا پیغام دینا چاہتی ہے۔ کیا آپ کچھ سمجھ پائے کہ وہ کیا کہہ رہی تھی؟“

”نہیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔“ پروفیسر نے انکار میں گردن ہلائی۔ ”خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کون سی زبان بولتی ہے۔ عربی۔۔۔۔ عبرانی۔۔۔۔ سریانی۔۔۔ یا ان زبانوں سے پرانی کوئی ایسی زبان۔“

نادِر خاں نے کھُلی کھڑکی سے باہر کوئی ایک فرلانگ دُور، چھوٹے سے ایک سفید مکان پر نظر ڈالی۔ اس مکان میں پروفیسر آزاد رہتا تھا، دنیا کی قدیم زبانوں کا ماہر۔ نادِر خان نے مکان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

”جناب، آپ اس معاملے میں اپنے دوست پروفیسر آزاد کی مدد کیوں نہیں لیتے؟ میں نے آپ ہی سے سُنا ہے کہ وہ بہت سی ایسی زبانیں جانتے ہیں جو اب مُردہ ہو چکی ہیں اور جو آج سے کئی ہزار برس پہلے بولی جاتی تھیں۔“

"خوب یاد دلایا تم نے۔" دانش مند نے خوش ہو کر کہا۔ "مجھے فوراً پروفیسر آزاد سے مشورہ کرنا چاہیے۔ وہ ضرور اس پراسرار زبان کا کھوج نکال لے گا اور اس کے بعد راارقن کا پیغام سمجھ لینا کچھ دشوار نہ ہو گا۔ یہ بھی کیسا عجیب اتفاق ہے کہ جس زمانے میں مَیں نے راارقن کی ممّی مصر کے ایک پرانے مقبرے سے نکالی تو پروفیسر آزاد کا والد اس مہم میں میرے ساتھ تھا۔ لیکن ایک ہفتے بعد ہی اسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اُف! ابھی اسی وقت پروفیسر آزاد کو ٹیلے فون کر کے کہو کہ وہ فوراً یہاں آ جائے۔"

"بہت اچھا، جناب۔" نادِر خان نے ادب سے کہا اور چلا گیا۔

اس کے کمرے سے باہر قدیم دھرتے ہی راارقن نے اپنا پیغام پھر دہرانا شروع کر دیا۔ وہی مدّھم، اَن جانی، پُراسرار آواز کمرے میں پھیلنے لگی۔ پروفیسر دانش مند نے پوری توجّہ سے اِن الفاظ کو سُننے اور سمجھنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہا۔ بے چین ہو کر اس نے پروفیسر آزاد کے مکان کی جانب نظر دوڑائی۔ چند لمحے بعد اس نے دیکھا کہ مکان کے ایک دروازے سے پروفیسر آزاد باہر آیا، گیراج میں سے کار نکالی، اس میں بیٹھا اور اس کے

بعد اس کی کار تنگ، بل کھاتی پہاڑی سڑک پر سِر کنے لگی۔ یقیناً وہ پروفیسر دانش مند کے مکان کی طرف ہی آ رہا تھا۔

"را ارقن۔۔۔۔۔ را ارقن۔۔۔۔۔ بولتے رہو۔۔۔۔۔ بولتے رہو۔۔۔۔۔ چُپ مت ہونا۔۔۔۔۔ میں تمہاری آواز سُن رہا ہوں۔۔۔ تمہارا پیغام سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بولتے جاؤ۔۔۔۔"

چند سیکنڈ خاموش رہنے کے بعد را ارقن کی ممّی نے پھر بولنا شروع کر دیا۔ پروفیسر دانش مند کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اب وہ بے صبری سے پروفیسر آزاد کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اتنے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

"کیا تم آ گئے پروفیسر آزاد؟" دانش مند نے پوچھا۔

"جی ہاں، میں حاضر ہوں۔ فرمایئے، کیا حکم ہے؟"

"جلدی یہاں آؤ۔ میرے قریب۔ میں تمہیں ایک پُراسرار آواز سنوانا چاہتا ہوں۔" پروفیسر نے کہا۔ پروفیسر آزاد اس کے بالکل برابر میں آن کر

کھڑا ہو گیا۔ مگر اس کے قریب آتے ہی را ار قن کی ممّی خاموش ہو گئی۔

"بولو! را ار قن، بولو!" پروفیسر دانش مند نے جوش سے مُٹھّیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ "چپ مت ہو۔۔۔۔ بولو۔۔۔۔۔۔ بولو۔۔"

لیکن را ار قن کی ممّی پر پروفیسر کے چیخنے چلّانے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پروفیسر آزاد اپنے چہرے پر حیرت کے آثار لیے خاموش کھڑا تھا۔ یکایک دانش مند نے مُڑ کر اس کی طرف دیکھا اور مایوسی سے گردن ہلا کر کہنے لگا۔ "را ار قن کسی کی موجودگی میں بولنے کے لیے تیّار نہیں۔"

"کیا یہ اس ممّی کا نام ہے؟" پروفیسر آزاد نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس کا نام ہے، را ار قن۔ یہ وہ ممّی تھی جس کی دریافت کے ایک ہفتے بعد مصر میں تمہارے والد قتل کر دیے گئے تھے۔ اس وقت وہ میرے ساتھ تھے۔ ابھی چند روز پہلے، میری درخواست پر، قاہرہ کے عجائب گھر والوں نے را ار قن کی ممّی کو میرے پاس بھجوایا ہے تا کہ میں اس کے بارے میں اپنی معلومات مکمل کر کے وہ کتاب لکھوں جس کے لکھنے کا ارادہ

میں پچھلے پچیس برسوں سے کر رہا تھا۔"

"بہت خوب!" پروفیسر آزاد نے کہا۔ "مگر میں یہ نہیں سمجھ پایا کہ آپ نے آخر مجھے کیوں طلب فرمایا ہے۔"

"بات یہ ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "کہ راارقن کی ممّی کسی پُراسرار زبان میں مجھے پچھلے دو روز سے کوئی پیغام بار بار سے رہی ہے۔ میں کوشش کے باوجود وہ زبان سمجھ نہیں سکا۔ تم اسے سنو اور سمجھ کر بتاؤ کہ راارقن کیا کہہ رہا ہے۔"

پروفیسر آزاد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کہ دانش مند خود بھی ہنسا اور کہنے لگا۔ "تمہاری مُسکراہٹ بالکل بجا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو گے کہ میں پاگل ہو چکا ہوں۔ بھلا تین ہزار برس پرانی لاش بھی بول سکتی ہے، ضرور مجھے وہم ہوا ہے یا میں دماغ کی خرابی کا شکار ہو گیا ہوں؟"

"نہیں۔ میں آپ کو پاگل سمجھنے کی گستاخی کا تصوّر نہیں کر سکتا۔ ہاں، بعض اوقات اچھا بھلا صحت مند شخص بھی کسی وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

”لیکن میرے پیارے دوست، میں تمھیں پورے اعتماد سے یقین دِلانا چاہتا ہوں کہ میں کسی وہم کا شکار نہیں ہوا۔“ دانش مند نے کہا۔ ”میں نے اپنے کانوں سے اس ممّی کو بولتے سنا ہے، بلکہ ابھی تمھارے آنے سے ایک دو منٹ پہلے یہ ممّی اپنا پیغام دہرا رہی تھی۔“

”ہو سکتا ہے، آپ درست فرماتے ہوں۔ دنیا میں سے ایک سے ایک عجیب واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔“ پروفیسر آزاد نے کہا۔ ”مگر سوال یہ ہے کہ یہ آری آپ کس مقصد کے لیے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں؟“

”میں اس کے ذریعے راارقن کے تابوت کی لکڑی کاٹ کر اس کا سائنسی تجزیہ کرانا چاہتا ہوں۔“ دانش مند نے جواب دیا۔ ”تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ ممّی کتنی پرانی ہے؟“

”خدا کی پناہ! آپ کس قدر قیمتی تابوت کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں!“ پروفیسر آزاد نے کہا۔ ”میرا خیال ہے، اس سائنسی تجزیے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”مگر۔۔۔۔۔ را ارقن کی یہ ممّی اور اس کا تابوت کچھ زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔“ دانش مند نے کہا۔ ”ایسے ایسے ہزاروں تابوت اور اَن گنت ممّیاں قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہیں اور نہ جانے کتنی اُن لاتعداد مقبروں میں دفن ہوں گی جنہیں کسی نے ابھی دریافت نہیں کیا ہے۔ بہر حال، میں اسے تراشنے کی زیادہ ضد نہیں کرتا۔ مجھے سب سے پہلے یہ معمّہ حل کرنا ہے کہ تین ہزار برس پرانی را ارقن کی لاش بولتی کیسے ہے؟ اور وہ صرف مجھ سے کیا کہنے کی خواہش رکھتی ہے؟“

”کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ایک دو روز کے لیے اس لاش کو میرے مکان پر بھجوا دیں؟“ پروفیسر آزاد نے کہا۔ ”ممکن ہے وہ میرے مکان پر بولے اور میں سمجھ سکوں کہ وہ کیا کہتی ہے؟“

”شکریہ۔ مگر میں فی الحال اس ممّی کو اسی مکان میں رکھنا چاہتا ہوں۔“ دانش مند نے جواب دیا۔ ”جب میں اپنا شُبہ دور کر لوں گا، تو پھر تمہارے پاس بھجوا دوں گا۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔ میں ہر وقت، ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔ اگر

دوبارہ کبھی اس ممّی کی آواز سنیں تو فوراً مجھے ٹیلے فون کر کے بُلوا لیجیے۔"

اُس نے دانش مند کو سلام کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دانش مند نے ممّی کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش تھی۔ تھوڑی دیر بعد نادِر خان آیا اور اس نے کہا۔ "جناب کھانا میز پر لگا دیا گیا ہے۔"

"دیکھو، نادِر خان، اس ممّی کے بارے میں کسی شخص سے ایک لفظ بھی مت کہنا۔ سمجھے؟ ورنہ لوگ مجھے پاگل کہنے لگیں گے۔"

"جناب، آپ مطمئن رہیے۔ میں ایک لفظ بھی مُنہ سے نہ نکالوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر بھروسا ہے۔" پروفیسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے بہر حال اس معاملے کا کسی نہ کسی ایسے شخص سے ذکر ضرور کرنا چاہیے جو سائنس دان تو نہ ہو، مگر اِن معاملات سے گہری دلچسپی رکھتا ہو۔ آہا! یاد آیا۔ اپنے پرانے دوست اداکار ضیغم خان سے بات کیوں نہ کروں۔ ضرور مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکے گا۔"

اور واقعی ضیغم خان نے پروفیسر دانش مند کو بہترین مشورہ یہی دیا کہ اس

پُراسرار معاملے کو تین ننّھے سُراغ رسانوں کے سپرد کر دیا جائے۔ چناں چہ پروفیسر دانش مند کی درخواست پر ضیغم خان نے ان تمام حالات کی تفصیل ننھے سُراغ رسانوں کو اپنے خط میں لکھ کر بھیج دی تھی۔

ننّھے سُراغ رساں میدان میں

نسیم اور عاقِب گُم سُم بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔ ضیغم خاں کا بھیجا ہوا خط وہ دو دو بار پڑھ چکے تھے، اور ان کی حیرت ہر بار بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر نسیم نے گہری سانس لے کر کہا:

"مجھے تو یہ سارا قصّہ ہی سو فیصد گپ نظر آتا ہے۔ نہایت اعلیٰ درجے کی گپ۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ تین ہزار برس پرانی لاش بولنے لگے؟"

"میں خود بھی اسے گپ ہی سمجھتا۔" عاقِب نے گردن ہلا کر کہا۔ "لیکن

ضیغم خاں جیسا آدمی بیان کر رہا ہے تو اس کہانی میں کچھ نہ سچائی ضرور ہو گی۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ضیغم خان نے یہ خط ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے لکھا ہو؟"

"کیا بے وقوفوں والی بات کرتے ہو۔" عاقِب نے کہا۔ "یہ تو سوچو کہ ضیغم خاں کو آخر ضرورت ہی کیا پڑی ہے ہمیں بے وقوف بنانے کی؟ نہیں پیارے دوست معاملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا اس خط میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ہمیں بہر حال اس کی تہہ تک پہنچنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے، تم اور عنبر دونوں تہہ تک پہنچتے رہو۔" نسیم نے اُٹھتے ہوئے کہا "مجھے اس قسم کی لاشوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے. میں چلا اپنے گھر بائی بائی۔ اسی لمحے عنبر مُسکراتا ہوا اندر آیا۔

"تمہارے تو فرشتے بھی نہیں جا سکتے اپنے گھر۔" اس نے نسیم سے کہا۔ "ورنہ وہ تین ہزار برس پرانی لاش وہیں آ ٹپکے گی۔" نسیم اور عاقِب حیرت

سے اُچھل پڑے۔

"ت۔۔۔ت تمھیں کیوں کر پتا چلا؟" نسیم نے ہکلا کر کہا۔ "تم تو ابھی ابھی باہر سے آرہے ہو۔"

"ہاں۔ میں باہر ہی سے آرہا ہوں۔" عنبر نے اسے دھکیل کر کرسی پر بٹھا دیا۔ "شرافت سے بیٹھے رہو۔ میں نے گھر کے دوسرے ٹیلے فون پر اللہ داد سے کہہ دیا ہے کہ وہ گاڑی لے کر آجائے۔ ہم تھوڑی دیر بعد پروفیسر دانش مند کے عجائب گھر میں وہ پراسرار ممّی دیکھنے چلیں گے، جس نے تین ہزار برس بعد اچانک کوئی نامعلوم زبان بولنا شروع کر دی ہے۔ تم دونوں اتنے میں پلک کر کھانا وانا کھالو۔"

عنبر انھیں پکڑ کر کھانے کے کمرے میں لے آیا، جہاں پلاؤ اور قورمے کے ساتھ ایک رکابی میں گرم گرم حلوا بھی رکھا ہوا تھا۔

"تم ہو خوش نصیب کہ خالہ جان نے تمہارے لیے حلوا پکا دیا۔" عنبر نے ہنس کر نسیم سے کہا۔ "ورنہ ہم دس مرتبہ درخواست کرتے تب بھی

شنوائی نہیں ہوتی۔"

وہ تینوں کھانا کھا کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے باہر سے کار کے ہارن کی آواز آئی۔ معلوم ہوا اللہ دار کار لے کر حاضر ہو گیا ہے۔ وہ باہر گئے تو اللہ داد نے ہاتھ اُٹھا کر سلام کیا اور جھٹ کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ تینوں اطمینان سے اندر بیٹھ گئے۔

"یونیورسٹی کالونی چلو۔" عنبر نے اللہ داد سے کہا۔ یہ وہی بستی تھی جہاں پروفیسر دانش مندر رہتا تھا۔ چوں کہ یہاں سبھی سائنس دان اور پروفیسر قسم کے لوگ رہتے تھے اس لیے اس چھوٹی سی بستی کا نام یونیورسٹی کالونی رکھ دیا گیا تھا۔ شاداب نگر سے اس کا فاصلہ بارہ میل سے زیادہ نہ تھا، لیکن پہاڑی راستہ ہونے کے سبب وہاں تک پہنچنے میں ایک گھنٹا ضرور لگ جاتا تھا۔ "اب بتاؤ، تمھیں اس لاش کے بارے میں کیسے پتا چلا؟" نسیم نے عنبر سے سوال کیا۔

"بس الہام ہوا تھا۔" عنبر نے بات ٹالنے کی کشش کی، لیکن عاقِب اور نسیم نے ضد کی تو اس نے بتایا کہ "جب میں اپنے خالو کے پاس جا رہا تھا تو راہ میں

ضیغم خان سے ملاقات ہو گئی اور انہوں نے بتایا کہ اس مضمون کا ایک خط وہ گزشتہ روز ہمارے ہیڈ کوارٹر کے پتے پر بھیج چُکے ہیں۔ میں نے وقت کا اندازہ کیا تو احساس ہوا کہ وہ خط میری غیر حاضری میں تم لوگوں کو مل گیا ہو گا۔"

"اس کے ساتھ یہ خط بھی آیا تھا۔" عاقِب نے بیگم زیب علی کا خط جیب نکال کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا۔ اس نے لفافے سے خط نکال کر سرسری نگاہ ڈالی اور عاقِب کو واپس دیتے ہوئے بولا:

"اگر پروفیسر دانش مند کی پُراسرار لاش کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید ہم اِن محترمہ کی کھوئی ہوئی بلّی تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر اب تو اس طرف دھیان ہی نہیں دیا جا سکتا۔"

"جی ہاں، بجا فرمایا۔ گویا آپ بہت بڑے سُراغ رساں ہیں نا۔ آپ ہی اس لاش کا مسئلہ حل کریں گے تو حل ہو گا۔" نسیم نے کہا۔ "دیکھو، میری بات مانو تو اب بھی یہ خیال چھوڑ دو۔ کیا معلوم اس لاش کے اندر کوئی بد روح گھُس گئی ہو اور وہی بولتی ہو۔"

”بولنے دو اُسے۔ ہمارا کیا بگاڑ لے گی۔“ عنبر نے جواب دیا۔

”جناب، بعض اوقات یہ بدروحیں آدمیوں کو چمٹ بھی جایا کرتی ہیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”کسی بھُلائے میں نہ رہیے گا۔ انہیں بھگانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں؟“

”ٹھیک ہے۔ پاپڑ بڑے ہوں یا چھوٹے، ہم بیل لیں گے۔ تم مت گھبراؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔“ عاقِب نے کہا۔

تینوں دوست اسی طرح کی نوک جھونک کرتے یونیورسٹی کالونی پہنچ گئے۔ اللہ داد نے کار آہستہ کرلی۔ چٹّانوں پر کہیں کہیں خوب صورت مکان بنے ہوئے تھے۔ کئی مکان ڈھلانوں پر بھی تھے۔ درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے سرخ رنگ کی چھت نظر آتے ہی عنبر نے اللہ داد سے کہا:

”وہ سامنے والا، بڑا سا، سفید مکان دیکھ رہے ہو نا؟ وہی جس کی چھت پر سُرخ رنگ کے ٹائل لگے ہیں؟“ میرا خیال ہے، وہی مکان پروفیسر دانش مند کا ہے۔ اس وقت وہ ہمارا ہی انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”کیا مطلب؟“ نسیم اور عاقِب نے حیرت سے آنکھیں نکال کر کہا۔

”مطلب یہ کہ میں نے جب اللہ داد کوٹیلے فون کیا تو لگے ہاتھوں پروفیسر دانش مند کو بھی فون کر دیا تھا۔“ عنبر نے جواب دیا۔ ”جب میں نے ضیغم خاں کا حوالہ دیا، کہنے لگے کہ تم تینوں ابھی یہاں آجاؤ اور وہ تین ہزار برس پرانی لاش دیکھ لو۔“

”خدا ہی تم نے سمجھے۔“ نسیم نے کہا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

پروفیسر دانش مند اپنے مکان کی دوسری منزل کے بیرونی بر آمدے میں آرام کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک تپائی پر چائے کی خالی پیالی دھری تھی۔ پروفیسر کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ وہ بار بار کرسی پر پہلو بدل کر گھڑی پر نگاہ ڈالتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے کسی کا انتظار ہے۔

اتنے میں اس کا خان ساماں نادِر خان آیا اور چائے کی پیالی لے جانے لگا۔ پروفیسر نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

”نادِر خاں، جیسا کہ میں نے تمہیں ہدایت کی تھی۔ پچھلی رات تم عجائب

گھر میں گئے تھے اور تم نے راارقن کی آواز سننے کی کوشش کی تھی؟"

"جی جناب، میں رات خاصی دیر تک راارقن والے کمرے میں رُکا رہا مگر مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ صرف ایک مرتبہ کچھ شُبہ سا ہوا تھا۔"

"ہاں ہاں۔۔۔۔ کہو کہو۔" پروفیسر نے کہا۔ "وہ شُبہ کیا تھا؟"

"وہ میرا وہم تھا، جناب۔" نادِر خان نے جواب دیا۔ "رات کے سنّاٹے میں انسان کو طرح طرح کے وہم ستایا کرتے ہیں۔ ان کی طرف توجّہ نہیں دینی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "لیکن خدا جانے کیا بات ہے۔۔۔۔ میں کچھ خطرہ سا محسوس کر رہا ہوں۔ پچھلی رات آرام سے سو رہا تھا کہ اچانک آنکھ کھل گئی۔۔۔۔ میرا سارا بدن پسینے میں تر تھا اور دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔"

"میں خود بھی یہی محسوس کر رہا ہوں، جناب۔ کئی روز سے میری آنکھ بھی آدھی رات کو کھُل جاتی ہے۔" نادِر خان نے جواب دیا۔ "سمجھ میں نہیں

آتا یہ معاملہ کیا ہے! جناب، اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات کہوں؟"

"ہاں ہاں، کہو۔" پروفیسر نے جلدی سے کہا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں جناب کہ جس دن سے تین ہزار برس پرانی رااِرقن کی ممّی اس گھر میں آئی ہے گھر کا امن چین غارت ہو کر رہ گیا ہے۔ آپ اسے فوراً مصری حکومت کو واپس کر دیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ۔۔۔"

"نہیں۔ ہر گز نہیں۔" پروفیسر دانش مند نے سختی سے کہا۔ "میں اسے کسی قیمت پر واپس نہیں کروں گا۔ میں نے اس کی دریافت میں بڑی مصیبت اُٹھائی ہے اور اب میں اس معاملے کی تہہ تک جا کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ پُراسرار آواز کہاں سے آتی ہے۔"

"کیا آپ نے کسی سُراغ رساں کو بُلوایا ہے جناب؟" نادِر خان نے پوچھا اور جب پروفیسر نے اقرار میں گردن ہلائی تو خان ساماں کہنے لگا:

"مگر جناب، اس طرح تو بات ہر طرف پھیل جائے گی۔ آپ نے مجھے خود ہی منع کیا تھا کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کروں۔"

”بے شک، میں یہی چاہتا ہوں۔“ پروفیسر نے کہا۔ ”مگر میرا مطلب یہ تھا کہ پولیس کو پتا نہ چلے، ورنہ خواہ مخواہ کی پریشانی اُٹھانا پڑے گی۔ میں نے اپنے پرانے دوست انسپکٹر ضیغم خان سے اس بات کا ذکر کیا تھا اور اس نے تسلّی دی تھی کہ ایک آدھ دن میں چند سُراغ رساں عجائب گھر دیکھنے آئیں گے، اور ابھی تھوڑی دیر پہلے کسی نے مجھے فون کیا۔ شاید یہ وہی تھے جن کا ذکر ضیغم خان نے مجھ سے کیا تھا۔ میں نے انہیں فوراً یہاں آنے کے لیے کہا ہے۔“

”ابھی وہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ پروفیسر نے جلدی سے کہا۔ ”نادِر خاں، دیکھو، شاید وہ جاسُوس آ گئے۔“

نادِر خاں نے ادب سے گردن جھکائی اور تیز تیز قدم اُٹھاتا بڑے دروازے کی طرف گیا۔ چند منٹ بعد وہ اپنے ساتھ تین لڑکوں کو لے کر پروفیسر دانش مند کے پاس آیا۔ پروفیسر نے تعجّب سے اُن کو دیکھا۔ وہ شاید کسی بڑی عُمر والے تجربہ کار سُراغ رساں کی توقع کر رہا تھا۔ اس نے نہایت بے زاری سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ پھر ان تینوں کی طرف باری باری گھورتے ہوئے بولا: ”تشریف رکھیے۔ تشریف رکھیے۔“ عنبر نے

بات کرنے سے پہلے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر پروفیسر کو دیا۔ پروفیسر نے اسے بھی حیرت سے دیکھا۔ لکھا تھا:

تین ننھے سُراغ رساں
ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں
؟؟؟
سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر
سُراغ رساں نمبر دو: نسیم
سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

"خوب! بہت خوب!" پروفیسر نے کارڈ عنبر کر واپس کرتے ہوئے کہا۔ "تو آپ تینوں سُراغ رسانی سے شوق فرماتے ہیں؟ اچھا شوق ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں وقت سے کچھ پہلے ہی یہ شوق آپ لوگوں کو ہو گیا ہے۔

بہر حال، اگر میرے دوست ضیغم خاں نے آپ کی سفارش نہ کی ہوتی تو میں آپ سے معافی چاہنے کے بعد فوراً آپ کو رُخصت کر دیتا، کیوں کہ میرا خیال ہے یہ معاملہ آپ کے بس کا نہیں؟"

"جناب، ہم خود بھی زبردستی کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔" عنبر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے آپ پولیس سے مدد لیجیے۔" اس کے ساتھ ہی نسیم اور عاقِب بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوہو! آپ تو خفا ہو گئے۔" پروفیسر نے جلدی سے کہا۔ "بیٹھیے، بیٹھیے۔ میرا مطلب یہ نہ تھا۔۔۔۔۔۔ بلکہ۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔۔۔۔۔ اُمّید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گے۔۔۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اس معاملے میں پولیس کو لانا پسند نہیں کرتا۔ اس سے میرے لیے اور پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔۔۔۔" یہ کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ "آیئے میرے ساتھ۔ میں آپ لوگوں پر بھروسا کرتے ہوئے اس معاملے کی تحقیق آپ ہی کے سپرد کرتا ہوں۔"

وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا عمارت کے بائیں حصّے کی طرف گیا۔ عنبر اس کے ساتھ

تھا۔ نسیم اور عاقِب نے بھی پیچھے جانے کا ارادہ کیا، مگر اسی لمحے نادِر خان نے اپنا بازو پھیلا کر انہیں روک دیا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ کانپ رہا ہے اور چہرہ زرد ہے۔ ”دیکھو لڑکو، تم اس چکّر میں نہ پڑو۔“ نادِر خاں نے کہا۔ ”تین ہزار برس پرانی اس لاش کی وجہ سے اب تک کئی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ پروفیسر صاحب سائنس دان ہیں، اس لیے وہ بد روحوں وغیرہ پر یقین نہیں رکھتے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس راارقن کی لاش میں ضرور کوئی بد رُوح داخل ہو گئی ہے اور وہی بولتی ہے۔ جب سے یہ منحوس لاش اس مکان میں آئی ہے، سارا سکون غارت ہو گیا ہے۔ خود پروفیسر صاحب کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں اور اگر ان کی یہی دماغی حالت رہی تو ایک نہ ایک دن وہ پاگل ہو جائیں گے۔ میرا حال بھی ان سے کچھ الگ نہیں ہے، اور اگر تم لوگوں نے میری نصیحت نہ مانی تو تمہارا بھی بُرا حشر ہو گا۔“

نسیم اور عاقِب حیرت اور خوف سے آنکھیں کھولے نادِر خاں کی صورت تکتے رہے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس موقع پر وہ کیا جواب دیں۔

ابھی وہ اسی فکر میں تھے کہ عنبر نے پلٹ کر انہیں آواز دی:

"وہاں کیوں رُک گئے؟ جلدی آؤ۔"

نادِر خان نے ہاتھ ایک دم پیچھے ہٹا لیا، اور نسیم اور عاقِب بھاگتے ہوئے عنبر کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اُس وقت عجائب گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ پروفیسر دانش مند سیدھا لکڑی کے اس تابوت کی جانب بڑھا جس میں رارقن کی لاش بند تھی۔ اس نے ایک لمحہ ٹھہر کر تابوت کا ڈھکن اُٹھایا اور اُنگلی سے تابوت کے اندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ہے رارقن۔۔۔۔۔ اسے غور سے دیکھو اور مجھے بتاؤ کہ تم لوگ کیا محسوس کرتے ہو۔ ہو سکتا ہے وہ مسئلہ جو مُجھ جیسے شخص سے حل نہ ہوا، تمہاری سمجھ میں آجائے۔"

تینوں لڑکوں نے تابوت میں جھانکا۔ رارقن کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے ہونٹ ذرا ذرا کھُلے تھے جیسے واقعی کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہو۔ نسیم اور عاقِب کے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ عنبر نہایت دلچسپی اور توجّہ

سے لاش کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے خوف یا وحشت کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ پروفیسر دانش مند نے جیب سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پر نمودار ہونے والے پسینے کے قطرے پونچھے۔ پھر بلند آواز میں نادِر خاں کو پکارا۔ وہ بھاگا بھاگا آیا۔ پروفیسر نے کہا:

"کھڑکیاں کھولو۔ میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ بند کمروں سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔"

نادِر خاں نے جھٹ پٹ کھڑکیاں کھول دیں۔ باہر سے تازہ ہوا کے جھونکے کمرے میں داخل ہوئے۔ پروفیسر نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسی لمحے کمرے میں مدھم سی آواز پیدا ہوئی۔ عنبر نے آواز کی طرف کان لگائے۔ پھر پروفیسر سے کہا:

"جناب، ہو سکتا ہے آپ نے تازہ ہوا کے جھونکوں کی سرسراہٹ سے یہ محسوس کیا ہو کہ راارقن کی لاش بول رہی ہے؟"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "میں ہوا کے جھونکوں اور

انسانی آواز میں تمیز کر سکتا ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ آواز اس لاش ہی کی تھی۔ میں دھوکا نہیں کھا سکتا۔"

"خبر دار، جناب! بچیے۔" نادِر خان ایک دم حلق پھاڑ کر چلّایا اور چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر پروفیسر دانش مند کے اوپر جا گرا۔ عین اسی لمحے پروفیسر کے پشت والی دیوار پر لگا ہوا ایک پرانا مجسّمہ زور دار آواز کے ساتھ فرش پر آن پڑا۔ یہ مجسّمہ بھی ہزاروں برس پرانا تھا اور اسی مقبرے سے پروفیسر کے ہاتھ لگا تھا جس میں میں سے رار قن کی لاش بر آمد ہوئی تھی۔ اس مجسّمے کی شکل گیدڑ سے ملتی جلتی تھی اور ہزاروں برس پہلے مصر میں اس کی پُوجا کی جاتی تھی۔ مجسّمہ خاصا بھاری تھا اور اگر نادِر خان پروفیسر کے اُوپر چھلانگ لگا کر اُسے پرے نہ ہٹاتا تو پروفیسر کی کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجسّمے کو گھورنے لگے۔ عنبر، نسیم اور عاقِب اپنی جگہ دم بخود کھڑے یہ بھیانک تماشا دیکھ رہے تھے۔

”جناب، اس وقت خدا ہی نے آپ کو بچایا۔“ نادِر خان کی کی کپکپاتی ہوئی آواز کمرے میں گونجی۔ ”میں دیکھ رہا تھا کہ اچانک گیدڑ کے اس مجسّمے میں حرکت پیدا ہوئی اور یہ آپ کے اُوپر گرنے کی تیّاریاں کرنے لگا۔ میرا خیال ہے، یہ سب اسی راارقن کی شرارت ہے۔ آپ اسے تو واپس مصر بھجوا دیجیے یا آگ میں جلوا دیجیے، ورنہ۔۔۔“

”کیا بکواس ہے!“ پروفیسر نے ناراض ہو کر کہا۔ ”بھلا راارقن کا اس میں کیا فائدہ ہے؟ اُسے مجھ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ یہ محض اتّفاق ہے کہ اینوبس دیوتا کا مجسّمہ ِگر پڑا۔ ممکن ہے اس کا کوئی پیچ ڈھیلا رہ گیا ہو۔“

”لیکن جناب، میں نے سُنا ہے کہ راارقن کے مقبرے پر ایک عبارت بھی لکھی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص مقبرے کو کھولے گا یا راارقن کی لاش کو کسی اور جگہ لے جائے گا، اس پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہو گا۔“

”پھر وہی بکواس۔“ پروفیسر دانش مند نے غصّے سے کہا۔ ”کیا میں گدھا ہوں؟ پاگل ہوں؟ میری تمام زندگی اِسی قسم کے کاموں میں کٹ گئی اور مجھے خبر نہیں کہ راارقن کے مقبرے پر لکھی ہوئی عبارت کا مطلب کیا

ہے؟"

"جناب، ناراض نہ ہوں، میں آپ کے فائدے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔" نادِر خان نے کہا۔ "آپ نے اخباروں میں پروفیسر کرامت کا بیان نہیں پڑھا تھا؟ انہوں نے ہی انکشاف کیا تھا کہ را ارقن کے مقبرے پر یہ عبارت درج ہے۔"

"اوہو! پروفیسر کرامت بھی پہلے درجے کا احمق تھا اور تم بھی بے وقوف ہو۔ وہ محض شہرت حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے اُلٹے سیدھے بیان اخباروں میں چھپواتا رہتا تھا۔ اس میں ذرّہ برابر بھی حقیقت نہیں ہے۔ بہرحال تم جاؤ اور باورچی خانے میں اپنا کام کرو اور اِن باتوں میں دخل نہ دو۔"

"ٹھیک ہے، جناب۔ میں معافی چاہتا ہوں۔" نادِر خاں کی آواز اب بھی کانپ رہی تھی۔ "لیکن آخری بات عرض کرتا ہوں کہ کیا یہ غلط ہے کہ را ارقن کی لاش دریافت ہونے کے کچھ عرصے بعد پروفیسر کرامت پراسرار طور پر ہلاک ہو گیا تھا؟"

"یہ تم سے کِس احمق نے کہا کہ وہ پُراسرار طور پر ہلاک ہوا تھا؟" پروفیسر نے دانت پیس کر کہا۔ "وہ کار کے ایک حادثے میں ہلاک ہوا تھا۔ اچھا، اب بحث بند۔ تم جا سکتے ہو!"

نادِر خان گردن جھکا کر واپس جانے ہی والا تھا کہ عنبر نے آواز دے کر اُسے روکا اور کہا۔

"نادِر خان! ابھی ابھی تم نے بتایا کہ گیدڑ کی شکل والے اس مجسّمے نے گِرنے سے پہلے حرکت کی تھی۔ ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے کیا دیکھا؟"

نادِر خان نے جواب دینے سے پہلے چونک کر عنبر کو دیکھا، پھر کچھ سوچ کر بولا:

"میں نے دیکھا کہ یہ منحوس مجسّمہ خود بخود پہلے آگے کی طرف جھکا۔ پھر اُس کا رُخ پروفیسر کے سر کی طرف ہو گیا۔ بالکل یوں لگا جیسے وہ جان بوجھ کر ان کے سر پر گرنا چاہتا ہو۔ اسی لمحے میں نے چلّا کر انہیں خبردار کر دیا۔ خدا کی قسم، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب تماشا

دیکھا ہے۔"

"بس بس۔ ختم کرو۔" پروفیسر نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "میں تمہارا شُکر گزار ہوں کہ تم نے بر وقت مجھے خبر دار کر کے میری جان بچائی۔ اب زیادہ وقت ضائع نہ کرو اور یہاں سے تشریف لے جاؤ۔"

دفعتاً دیوار پر سجا ہوا ایک وزنی کلہاڑا دھائیں سے زمین پر آن گرا۔ سب حیرت اور خوف کی ملی جُلی نظروں سے اُس کلہاڑے کی طرف تکنے لگے۔ نادِر خاں کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا۔ اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"دیکھا جناب، آپ نے؟ یہ بھی رالارقن۔۔۔۔۔۔"

"خاموش!" پروفیسر چلّایا۔ "یہ تیز ہوا کے جھونکوں سے گِرا ہے۔ اس میں رالارقن کا کیا دخل ہے؟"

نیم اور عاقِب نے دیکھا کہ عنبر کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ ناخن سے نچلا ہونٹ نوچ رہا تھا اور اس بات کی علامت تھی کہ اس کے دماغ کی بیٹریاں کام کرنے لگی ہیں۔ یکایک اس نے بڑھ کر فرش پر گِرے ہوئے

گیدڑ کے مجسّمے کا مُعاینہ کیا۔ اس کے بعد کلہاڑے کو دیکھا۔ پھر پروفیسر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

"جناب، میں نے کچھ حساب لگایا ہے۔" یہ کہہ کر نسیم اور عاقِب کی جانب مڑا اور کہا:

"تم دونوں باہر جاؤ، جہاں ہماری کار کھڑی ہے اللہ داد ڈرائیور سے کہنا کہ پچھلی سیٹ پر چمڑے کا ایک تھیلا رکھا ہے۔ اس تھیلے میں چند اوزار ہیں۔ بس وہ تھیلا لے آؤ۔ میں ایک چھوٹا سا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"آیئے، میں آپ کو باہر لے چلتا ہوں۔" نادِر خان نے کہا۔ نسیم پہلے ہی باہر بھاگنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے فوراً عاقِب کا ہاتھ تھاما اور دونوں کمرے سے نکل آئے۔ باہر آ کر نادِر خان نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا:

"دیکھا آپ نے؟ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ راار قن کے جسم میں کوئی بد روح گھُس گئی ہے۔ لیکن ہمارے پروفیسر صاحب میری بات نہیں مانتے اور دیکھ لیجیے لاش اس گھر میں رہی تو ہم دونوں میں سے ایک ضرور مارا جائے

گا۔ میاں، خُدا کے واسطے پروفیسر صاحب کو سمجھایئے کہ اس لاش کو وہیں بھجوا دیں جہاں سے لائے ہیں، ورنہ ہم سب کی جانیں خطرے میں رہیں گی۔"

اور اس سے پہلے کہ یہ دونوں جواب میں کچھ کہتے، وہ ایک بغلی دروازے میں گھُس کر غائب ہو گیا۔

"یہ بھی بڑا عجیب آدمی ہے۔" عاقِب نے کہا۔

"ہاں، مجھے تو خود یہ کوئی بڑی بد روح دکھائی دیتا ہے۔" نسیم نے نادِر خان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

مکان کے باہر اللہ داد کار لیے موجود تھا۔ نسیم اور عاقِب نے اس سے کہا کہ پچھلی نشست پر دیکھو کہ چمڑے کا کوئی چھوٹا سا تھیلا پڑا ہے۔ اگر ہے تو دے دو۔ عنبر نے منگوایا ہے۔ اللہ داد نے اُٹھ کر پچھلی سیٹ ٹٹولی اور دوسرے ہی لمحے چمڑے کا ایک چھوٹا سا تھیلا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے منہ پر زِپ لگی اور جہاں زِپ بند ہوتی تھی، وہاں ایک ننّھا سا قُفل لگا

تھا۔ نسیم نے تھیلا ہاتھ میں لے کر ہلایا اور بولا: ”خاصا وزنی ہے۔ نہ جانے اس میں کیا چیز بند ہے۔ خیر، ابھی پتا چل جاتا ہے۔“

جب وہ دونوں تھیلا لیے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں پروفیسر دانش مند اور عنبر رااقن کی ممّی کے قریب کھڑے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ عنبر اپنا نِچلا ہونٹ نوچنے میں مصروف ہے اور پروفیسر کی نگاہیں رااقن کے چہرے پر جمی ہیں۔

نسیم اور عاقِب کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ دونوں چونکے۔ عنبر نے تھیلا لے کر ایک ننّھی مُنّی کنجی جیب سے نکالی، زِپ پر لگا ہوا قُفل کھولا، پھر آہستہ آہستہ زِپ کھولی اور تھیلے میں ہاتھ ڈال کر تین چھوٹے چھوٹے ٹرانسسٹر ریڈیو لگائے۔

”پروفیسر صاحب، اب میں آپ کو دکھاتا ہوں کہ رااقن کی لاش کیسے بولتی ہے۔“

یہ کہہ کر عنبر نے ایک ریڈیو نسیم کر دیا۔ پھر تھیلے میں سے چمڑے کی ایک

پتلی سی بیٹری نکالی۔ اس پر تانبے کا باریک تار لپٹا ہوا تھا۔ اس نے پیٹی کمر کے گرد باندھ دی۔ اس کے بعد تار کا ایک سِرا چھوٹے سے ریڈیو کی پُشت پر بنے ہوئے ایک سوراخ میں پھنسا دیا۔ پروفیسر دانشمند عاقِب اور خود نسیم حیرت اور دلچسپی سے یہ تمام کارروائی دیکھ رہے تھے۔ اس دوران میں کسی نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالنے کی جرأت نہ کی۔"

"اب تم آہستہ آہستہ، ٹہلتے ہوئے، اس مکان کے باغیچے میں جاؤ۔" عنبر نے نیم سے کہا۔ "ریڈیو کو اپنے کان سے اس طرح لگائے رکھو جیسے کوئی مزے دار پروگرام سُن رہے ہو۔ مگر حقیقت میں یہ ریڈیو نہیں، بلکہ سُننے اور بات کرنے کا ایک ٹرانسمیٹر اور ریسیور ہے۔ یہ بٹن دیکھتے ہو؟ جب تم اِسے دبا کر کوئی بات کرو گے تو میں اسے اپنے اس ریڈیو پر سُن سکوں گا اور جب اِس بٹن کو ذرا اوپر کر دو گے تو تم میری بات اپنے ریڈیو پر سُنو گے۔ چمڑے کی یہ پیٹی، جس پر تانبے کا باریک تار لپٹا ہوا ہے، اصل میں اس ویڈیو کا اینٹا یا ایریل ہے۔ میں نے پچھلے دِنوں فرصت کے وقت میں یہ تین ریڈیو بنائے تھے کہ اگر کسی لمحے ہم تینوں الگ ہو جائیں یا ایک دوسرے

سے بچھڑ جائیں تو اس آلے کے ذریعے بات چیت کر سکیں۔"

پروفیسر دانش مند تعریفی نظروں سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ نسیم نے گہرا سانس لے کر کہا:

"میں سب کچھ سمجھ گیا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ باغیچے میں جا کر میں کیا پیغام نشر کروں؟"

"بھئی، کچھ بھی کہہ دینا۔" عنبر نے کہا۔ "جو تمہاری سمجھ میں آئے، بولتے رہنا۔ اب زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہو جاؤ۔"

نسیم نے ریڈیو اپنے دائیں کان سے لگایا اور عنبر کی ہدایت کے مطابق چلتا ہوا باغیچے کی طرف جانے لگا۔ کمرے کی کھُلی کھڑکیوں سے باغیچہ کچھ دُور تک دکھائی دیتا تھا۔ اس سے آگے ڈھلان شروع ہو جاتی تھی۔

نسیم کے جانے کے بعد عنبر نے پروفیسر دانش مند سے کہا۔ "جناب، اگر آپ اجازت دیں تو میں رالا رقن کی لاش کو ذرا ہاتھ لگا لوں؟"

"ہاں ہاں، ضرور۔" پروفیسر نے کہا۔

عنبر راارقن کے تابوت پر جھکا اور اندر ہاتھ ڈالا۔ شاید کچھ ٹٹولا ہو گا۔ پھر فوراً ہی سیدھا ہو گیا۔ اب اُس کے ہاتھ میں صرف ایک ریڈیو نظر آ رہا تھا۔ تیسرا ریڈیو غائب ہو چکا تھا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ والے ریڈر کو منہ کے نزدیک لے جا کر کہا: "نسیم! کہاں ہو تم؟ اب بولنا شروع بھی کرو۔۔۔۔ پروفیسر صاحب اور عاقِب۔۔۔۔ آپ دونوں ذرا دھیان دیجیے۔"

کمرے میں تھوڑی دیر تک گہری خاموشی چھائی رہی۔ پھر اچانک مدّھم سی آواز راارقن کے تابوت میں سے آئی، جیسے شہد کی مکھّیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ پروفیسر دانش مند اُچھل پڑا۔ عنبر نے اُسے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ ممّی کے تابوت میں جھانکیے۔ پروفیسر آگے آیا اور گردن جھکا کر وہ مدّھم سی آواز سُننے لگا۔ اُس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔ راارقن کی لاش نسیم کی آواز میں بول رہی تھی۔

چھلاوا

”میں اب باغیچے کی آخری حدوں تک پہنچنے والا ہوں۔“عنبر کے ریڈیو پر نسیم کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ”میرے سامنے چند گھنی جھاڑیاں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“عنبر نے کہا۔ ”تم برابر بولتے رہو۔ میں تمہاری آواز سُن رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر وہ دوبارہ جھکا اور رارقن کے تابوت میں ہاتھ ڈال کر تیسرا ریڈیو

بھی نکال لیا۔

"جناب، آپ نے دیکھا کہ یہ لاش کیسے بولتی ہے۔" عنبر نے مُسکرا کر پروفیسر سے کہا۔ "ممکن ہے اس لاش کے کپڑوں یا جسم کے کسی حصّے میں چھوٹا سا ریڈیو کسی نے چھپا رکھا ہو اور اس مکان سے باہر کوئی شخص نامعلوم زبان میں اپنے ٹرانسمیٹر پر پیغام نشر کرتا ہو تاکہ آپ یہ سمجھیں کہ رارقن کی لاش بول رہی ہے۔" ابھی پروفیسر کچھ جواب دینے نہ پایا تھا کہ عنبر کے ریڈیو پر نسیم کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی:

"عنبر! عنبر! میرے سامنے جو جھاڑیاں پھیلی ہوئی ہیں اُن میں کوئی چھُپا ہوا ہے۔ میں اسے صاف دیکھ رہا ہوں۔ لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ پایا۔ شاید ابھی تک میری موجودگی سے بے خبر ہے۔ میں اب اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

ٹھہرو! ذرا رُک جاؤ۔" عنبر نے نسیم کو ہدایت کی۔ "ہم تھوڑی دیر میں تمہاری مدد کو پہنچتے ہیں۔"

”اگر تم لوگ اِدھر آؤ گے تو وہ تمہیں دیکھ کر بھاگ جائے گا۔“ نسیم کی آواز آئی۔ ”میں اس باغیچے میں اس طرح گھوم رہا ہوں جیسے تفریح کرنے کے لیے آیا ہوں تاکہ اگر وہ مجھے دیکھ بھی لے تو کسی قسم کا شک نہ کرے۔ میں اسے اچانک جا دبوچوں گا۔ پھر تمہیں اطلاع دوں گا۔ اس کے بعد آ جانا!“

”چلو، ٹھیک ہے۔“ عنبر نے ریڈیو پر کہا۔ ”تم، اسے پکڑو، اور ہم فوراً تمہاری آواز سُن کر آ جائیں گے۔“ یہ کہہ کر وہ پروفیسر دانش مند کی طرف مڑا:

”جناب، میرے ساتھی نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ آپ کے باغیچے کی جھاڑیوں میں کوئی نا معلوم شخص چھُپا ہوا ہے۔ اگر ہم کسی طرح اسے گرفتار کر سکیں تو راارقن کے بولنے کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔“

پروفیسر دانش مند کی آنکھیں تعجّب سے پھیل گئیں۔ اس نے کہا۔ ”یہ کیا قصّہ ہے؟ بھلا باغیچے میں کون چھپا ہوا ہے؟“

”ذرا صبر کیجیے۔ ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔“ عنبر نے جواب دیا۔

وہ تینوں خاموشی سے انتظار کرتے رہے۔ اُدھر نسیم دبے پاؤں ٹہلتا ٹہلتا جھاڑیوں کے نزدیک ہوتا جارہا تھا، اب وہ اچھی طرح دیکھ سکتا تھا کہ چھپنے والا کون ہے۔ نسیم ہی کی عُمر اور قد و قامت کا ایک لڑکا وہاں دُبکا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ ذرا سانولا یا کسی قدر سیاہ تھا اور کالی کالی بھونرا سی آنکھیں خوب چمک رہی تھیں۔

اچانک اس نے نسیم کو چھلانگ لگاتے دیکھا اور انتہائی پھرتی سے باہر نکل کر ایک طرف کو دوڑا۔ نسیم نے پھر چھلانگ لگائی اور اس پر جا گرا۔ وہ دونوں بُری طرح گتھم گتھا ہو گئے۔ نسیم نے محسوس کیا کہ اس کے بدن میں بڑی جان ہے۔

”میں نے اسے پکڑ لیا ہے!“ اس نے ہانپتے ہوئے اپنے ریڈیو پر پیغام نشر کیا۔ ”تم لوگ جلدی پہنچو۔“

”آیئے۔۔۔۔“ عنبر نے نسیم کی آواز سنتے ہی پروفیسر اور عاقِب سے کہا۔

”اور وہ تینوں بے تحاشا دوڑتے ہوئے نیچے کی طرف بھاگے۔ لیکن اس اثنا میں وہ لڑکا نسیم کو دو تین پٹخنیاں دے کر رفو چکّر ہو چکا تھا۔ نسیم نے آخری بار اُسے پکڑنے کی کوشش کی، مگر اس نے نسیم کی کلائی میں اپنے دانت گاڑ دیے۔ ایک خوف ناک چیخ مار کر نسیم نے اسے چھوڑ دیا۔

عنبر اور عاقِب پروفیسر دانش مند کے باغیچے کی آخری حد پر پہنچے تو نسیم گھاس پر گِرا درد سے کراہ رہا تھا۔ اس کی بائیں کلائی سے خون کے قطرے اس رس رس کر گھاس پر گِر رہے تھے۔ پتلون کئی جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ ریڈیو اس کُشتم کَشتا میں اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔

”کچھ زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟“ عاقِب نے اسے اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”اس نے میری کلائی میں کاٹ کھایا۔“ نسیم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”اس نے یہ حرکت نہ کی ہوتی تو قیامت تک اُسے بھاگنے نہ دیتا۔“

”مگر سوال یہ ہے کہ وہ تھا کون؟“ پروفیسر نے نسیم کے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔ ”اور اس باغیچے میں چھُپ کر کیا کر رہا تھا؟“

”میرا خیال ہے، وہ ان جھاڑیوں میں چھُپ کر آپ کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا۔“ نسیم نے جواب دیا۔ ”ضرور کسی اور شخص نے اس کام پر لگایا ہو گا۔ ایک اور بات آپ کو بتاؤں۔ مجھ سے ہاتھا پائی کرتے ہوئے وہ عربی زبان میں چلّا بھی رہا تھا۔ شاید گالیاں دے رہا ہو گا۔“

”عربی زبان میں؟ خدا کی پناہ؟“ پروفیسر نے گھبرا کر کہا۔

”جی ہاں، عربی زبان میں۔“ نسیم نے جواب دیا۔ ”اتفاق سے میں نے محلے کی مسجد کے مولوی صاحب تھوڑی بہت عربی پڑھی ہے۔ وہ اس وقت کام آگئی۔“

”آخر کہہ کیا رہا تھا وہ؟ تم کچھ سمجھے بھی؟“ عنبر نے پوچھا۔

”وہ کہہ رہا تھا، اے راارقن! اے راارقن! میری مدد کو پہنچ۔ مجھے دُشمن نے پکڑ لیا ہے۔“ نسیم نے بتایا۔

یکایک عاقِب کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ اس نے انگلی سے سامنے پہاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ سب نے گردنیں گھُما کر دیکھا۔ کئی من وزنی ایک

پتھّر پہاڑی کی چوٹی سے لڑھکتا ہوا باغیچے کی جانب آ رہا تھا۔ وہ بد حواس ہو کر تتّر بتّر ہو گئے۔ پتھّر ہول ناک آواز کے ساتھ آیا اور جھاڑیوں کو روندتا ہوا کئی سو فٹ گہری خندق میں جا گرا۔

"اگر ہم اس کی زد میں آ جاتے تو ہماری ہڈّیوں کا بھی پتا نہ چلتا کہ کہاں گئیں۔" نسیم نے ہانپتے ہوئے کہا۔

پروفیسر دانش مند ٹکٹکی باندھے پہاڑی کی طرف رہا تھا۔ اتنے میں نادِر خاں دوڑتا ہوا آیا۔ قریب پہنچ کر اُس نے پروفیسر سے پوچھا:

"جناب، آپ خیریت سے ہیں نا؟ میں نے باورچی خانے کی کھڑکی سے دیکھا کہ چٹّان سے ایک وزنی پتھّر لڑھکتا ہوا آ رہا ہے۔ اب بھی مان جایئے کہ سب کچھ اسی منحوس لاش کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ دیکھ لیجیے، ابھی تھوڑی دیر ہی میں دو مرتبہ آپ کی جان بال بال بچی ہے۔ اگر آپ نے راارقن کو اس گھر سے نکال کر واپس اس کے مقبرے میں نہ بھیجا تو یہ آپ کو جان سے مار۔۔۔۔۔"

”چپ رہو!“ پروفیسر نے ناراض ہو کر کہا۔ ”تم اپنی حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے مجھے مشورے دینے کا، ہاں تمہیں اپنی جان کی فکر ہے تو بڑی خوشی سے نوکری چھوڑ کر جا سکتے ہو۔ شہر میں اچھے باورچیوں کی کمی نہیں جسے دس بیس روپے زیادہ دوں گا، وہی آ جائے گا۔“

”ٹھیک ہے، جناب۔ لیکن میں ان نوکروں میں سے نہیں جو نمک حرام ہوتے ہیں میرا فرض ہے کہ جب تک میں آپ کی ملازمت کروں، آپ کے نفع نقصان کا خیال رکھوں۔ باقی رہا نوکری کا معاملہ، سو خدا نے رزق دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ جواب دے دیں گے تو سو دروازے اور کھُل جائیں گے۔ مگر میں حق بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔“

پروفیسر نے چند لمحے نادِر خاں کی طرف غور سے دیکھا، پھر گردن ہلا کر بولا۔ ”میں تمہارے ان جذبات اور خیالات کی قدر کرتا ہوں۔ اچھا جاؤ، اپنا کام دیکھو۔“

نادِر خان کے چلے جانے کے بعد عنبر نے کہا: ”پروفیسر صاحب، بہتر یہ ہے کہ آپ ہمیں راارقن کے بارے میں مختصر طور سے بتائیں کہ اسے آپ

نے کہاں پایا اور وہ بد دُعا کیا ہے جو راار قن کے تابوت یا مقبرے پر کھُدی ہوئی ہے، اور جس کا ذکر نادِر خان کرتا ہے۔"

"بھئی، کیا بتاؤں۔ کچھ بھی تو نہیں ہے۔" پروفیسر نے کہنا شروع کیا۔ "جس زمانے میں مَیں نے پہلے پہل مصر جا کر بادشاہوں کی وادی میں سے راار قن کا مقبرہ دریافت کیا اور وہاں سے اُس کی لاش نکالی، اس زمانے میں اخباروں نے طرح طرح کی داستانیں چھاپی تھیں۔ ان میں اکثر من گھڑت تھیں۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ راار قن کے تابوت پر نہایت عجیب عبارت لکھی ہوئی ہے۔ اس عبارت کے مطابق جو شخص راار قن کے مقبرے میں داخل ہو کر اس کی نیند میں خلل ڈالے گا، اس سے خوف ناک انتقام لیا جائے گا۔ حال آں کہ یہ بات بالکل غلط تھی۔ راار قن کے تابوت پر تین ہزار سال پرانی زبان میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ راار قن اس جگہ آرام کر رہا ہے۔ مہربانی کر کے اسے آرام کرنے دیجیے اور اس کی نیند میں خلل نہ ڈالیے۔" بس اتنی سی بات ہے جسے اخباروں نے افسانہ بنا دیا۔ بہرحال، یہ بات سچ ہے کہ جب سے را

ارقن کی لاش ہم نے اس کے مقبرے سے نکالی ہے، کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا رہا ہے، لیکن میں اسے صرف اتّفاق سمجھتا ہوں۔"

"کیا آپ ان حادثوں کی تفصیل بیان فرمائیں گے۔" عنبر نے پوچھا۔

پروفیسر دانش مند نے فوراً ہی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر اس نے کہا:

"تم جانتے ہو کہ میں آثار قدیمہ کا ماہر ہوں اور مجھے خاص طور پر مصر کے ان پرانے مقبروں سے دل چسپی رہی ہے جن میں ہزاروں برس پہلے فرعونوں کی لاشیں خاص مسالے لگا کر دفن کی جاتی تھیں۔ آج بھی مصر میں ایسے مقبرے موجود ہیں جو زمین میں دفن ہیں اور اگر کھدائی کی جائے تو وہاں سے مسالا لگی بہت سی لاشیں بر آمد ہو سکتی ہیں۔ ان لاشوں کو ممّی کہا جاتا ہے۔

بہر حال، آج سے پچیس برس پہلے میں ان پرانے مقبروں کی تلاش میں مصر گیا تھا۔ میرے ساتھ کئی ماہر اور سائنس دانوں کی ایک جماعت بھی

تھی۔ ان میں پروفیسر کرامت بھی شامل تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی زندگی کا بڑا حصّہ ایسی ہی مہموں میں گزرا تھا، لیکن وہ کچھ زیادہ عقل مند نہ تھا۔ اُسے اس بات کا بڑا شوق تھا کہ اس کی تصویریں اور کارنامے اخباروں میں چھپتے رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ راارقن کا مقبرہ ہم دونوں کی اکٹھی دریافت ہے۔

ایک دن ہم ویران اور ریتلے علاقے میں گھوم رہے تھے کہ یکایک ایک مقبرے کے آثار دکھائی دیے۔ ہم نے جستجو کی تو راارقن کی لاش تابوت میں بند ملی۔ ہزاروں برس پہلے مصر میں دستور تھا کہ جب بادشاہ مر جاتا تھا تو اسے بڑی شان و شوکت سے لونڈی غلاموں اور دوسرے ساز و سامان سمیت دفنایا کرتے تھے، بلکہ اکثر بادشاہ اپنی زندگی ہی میں اپنے مقبرے تعمیر کروا لیا کرتے تھے۔ ان کو ابرام کہتے ہیں، اور یہ دنیا کے سات عجائبات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ بادشاہ کے تابوت پر بادشاہ کا نام اور اس کے کارنامے بھی درج کیے جاتے تھے اور ایک بلّی کی لاش بھی مسالا لگا کر تابوت میں رکھ دی جاتی تھی۔ یہ اس بات کی علامت ہوا کرتی تھی کہ جو

لاش تابوت میں بند ہے، وہ کسی عام آدمی کی نہیں ہے۔" راارقن کے تابوت میں بھی بلّی موجود تھی، جس سے ہمیں پتا چلا کہ یہ شاہی خاندان کے کسی آدمی کی لاش ہے۔ اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون تھا۔ اس کا مقبرہ بھی ایسا بنایا گیا کہ کسی کو اس کی جگہ کا عِلم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تو ہم نے اتّفاق سے اسے دیکھ لیا، اور وہ بھی تین ہزار برس گزر جانے کے بعد۔ اب مجھے یہ دُھن تھی کہ راارقن کے بارے میں پتا چلاؤں کہ وہ کون تھا اور اسے مصر کے بادشاہوں کی طرح کسی بڑے مقبرے میں کیوں نہیں دفنایا گیا، ایک چھوٹے سے مقبرے میں کیوں دفن کیا گیا۔"

تینوں لڑکے حیرت اور شوق سے یہ کہانی سُن رہے تھے۔ نسیم تو اپنی چوٹیں بھی مقبول چکا تھا۔ پروفیسر دانشمند نے باری باری ان تینوں کو دیکھتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا:

"راارقن کی لاش ملنے کے کچھ دن بعد ہی پروفیسر کرامت کار کے ایک حادثے میں مارا گیا۔ ایسے حادثے آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔ چناں چہ اسے میں نے کوئی اہمیّت نہ دی۔ اس کے بعد میرا پرائیویٹ سیکریٹری، جو

اس سامنے والے سفید مکان میں رہنے والے پروفیسر آزاد کا والد تھا، قاہرہ کے بھرے بازار میں قتل کر دیا گیا۔ اس کا نام شرافت علی تھا۔ ہماری جماعت میں ایک فوٹو گرافر اور پروفیسر کرامت علی کا سیکرٹری بھی شامل تھا۔ جس حادثے میں کرامت مارا گیا، اسی حادثے میں یہ فوٹو گرافر اور کرامت کا سیکرٹری دونوں شدید زخمی ہوئے، لیکن ہسپتال میں ان کا علاج ہوا اور ان کی جانیں بچ گئیں۔ ہمارے ساتھ مزدوروں اور قُلیوں کا ایک گروہ بھی تھا۔ اس کا انچارج ایک مصری شخص عبد الباسط نام کا تھا۔ اسے ایک سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گیا۔ یہ ہیں وہ حادثے، اور ان کا کوئی تعلق رارقن کے انتقام یا بادُعا سے نہیں ہے۔"

"بہت خوب!" عنبر نے کہا۔ "عجیب بات یہ ہے کہ آپ کی جماعت کے کئی آدمیوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ تین بد نصیب ان حادثوں میں اپنی جانیں گنوا بیٹھے اور چند شدید زخمی ہوئے، لیکن بچ گئے۔ آپ کے ساتھ ابھی تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا؟"

"جی نہیں۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "بس جو کچھ ہوا، آج ہی ہوا ہے،

بشرطیکہ آپ لوگ اسے حادثہ یا حادثے کہہ سکیں۔ ہاں، یاد آیا۔ پچھلے ہفتے، عین اسی روز قالین بیچنے والا ایک سوداگر میرے مکان پر آیا۔ اُس نے عربی لباس پہن رکھا تھا۔ کہنے لگا کہ میرا نام ابراہیم ہے اور میں لیبیا کا رہنے والا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ راارقن کی ممّی میرے حوالے کر دو۔ اس کی یہ بات سُن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے پوچھا کہ تمہارا اس ممّی سے کیا تعلّق ہے اور تم کس حیثیت سے یہاں آئے ہو؟ اس نے جواب میں جو کچھ کہا، وہ مجھے اب تک یاد ہے۔ اس نے کہا، راارقن کی روح نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کی لاش اسی مقبرے میں واپس پہنچائی جائے جہاں سے لائی گئی ہے۔ میں نے کہا، یہ بتاؤ کہ راارقن کی روح نے تم ہی کو یہ حکم کیوں دیا؟ سوداگر نے جواب دیا، اس لیے کہ ہم راارقن کی اولاد میں سے ہیں۔ آج سے تین ہزار برس پہلے راارقن لیبیا کے صحرا سے نکل کر مصر گیا تھا اور پھر وہیں مر گیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ شخص پاگل ہے۔ چناں چہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر نکال دیا۔ جاتے جاتے وہ مجھے دھمکی دے گیا کہ را

ار قن کی روح مجھ سے انتقام لے کر رہے گی۔ لیکن میں ان بے ہودہ اور فضول باتوں پر یقین ہی نہیں کرتا۔“

یہ کہہ کر پروفیسر نے بات ختم کر دی اور عنبر کا شانہ تھپ تھپا کر بولا۔ ”تم نے سائنسی کرشمہ دکھا کر ثابت کر دیا کہ ممّی نہیں بول سکتی، بلکہ کوئی خفیہ ریڈیو اس کے تابوت میں کہیں لگایا گیا ہے اور وہیں سے کسی نامعلوم زبان میں پیغام نشر کیے جاتے ہیں تاکہ میں اسے راار قن کی آواز سمجھوں اور ڈر کر اس کی لاش واپس مصر بھجوادوں۔ مگر میں کوئی کچّی گولیاں نہیں کھیلا کہ ان شعبدوں سے گھبرا جاؤں۔ آؤ، کمرے میں واپس چل کر تابوت کو دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس میں سے کوئی اور ننھا سا ریڈیو نکل آئے۔“

انہوں نے واپس آ کر راار قن کا تابوت اچھی طرح دیکھا بھالا۔ پھر لاش کے بدن پر لپٹی ہوئی کپڑے کی بے شمار پٹّیاں کھول ڈالیں۔ لیکن وہاں کسی ریڈیو کا نام نشان بھی نہ تھا۔ مایوسی سے اُن سب کے چہرے لٹک گئے۔ پروفیسر دانش مند ایک بار پھر خوف زدہ دکھائی دینے لگا۔ آخر عنبر نے کہا:

”مجھے افسوس ہے، پروفیسر صاحب یہاں کوئی خفیہ ٹرانسمیٹر یا مائیکروفون

وغیرہ نہیں ہے۔ اب فرمایئے، کیا کریں؟" "ہمّت نہ ہارو، دوستو۔" پروفیسر نے کہا۔ "اگر پہلا تجربہ ناکام رہا تو دوسرا کرو۔ دوسرا ناکام رہے تو تیسرا کرو۔ کسی نہ کسی بار ضرور کام یاب ہو جاؤ گے۔"

"جی ہاں، میں اسی بات کا قائل ہوں۔" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آپ نے فرمایا تھا کہ جب آپ اس کمرے میں اکیلے ہوتے ہیں، تب یہ لاش اپنا پیغام نشر کرتی ہے؟"

"ہاں۔ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "اور ہمیشہ اس کی آواز مجھے سہ پہر کو یا اس سے بھی بعد سنائی دیتی ہے۔" عنبر نے اپنا نچلا ہونٹ نوچنا شروع کر دیا۔

"یہ فرمایئے کہ آپ کے علاوہ اور کون کون اس مکان میں رہتا ہے، یا یہاں اُس کا آنا جانا ہے؟"

"یہاں میرے ساتھ صرف نادِر خاں رہتا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "اور نادِر خاں بڑے بھروسے کا آدمی ہے۔ اسے میرے ساتھ رہتے ہوئے دس

سال ہو گئے ہیں۔ باورچی کا پیشہ اختیار کرنے سے پہلے وہ اداکار تھا۔ نادِر خان کے علاوہ مکان کی صفائی کرنے کے لیے ایک عورت ہفتے میں تین مرتبہ آیا کرتی ہے۔ پھر باغیچے کی دیکھ بھال کرنے والا نوجوان مالی ہے۔ یہ دراصل سات بھائی ہیں۔ کبھی کوئی آجاتا ہے، کبھی کوئی۔ ساتوں بھائی مالی ہیں اور مختلف کوٹھیوں اور بنگلوں میں اُجرت پر کام کرتے ہیں۔ انہیں میرے ہاں آئے ہوئے آٹھ برس ہو گئے ہیں۔ کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی، اور نہ ان میں سے کوئی آج تک مکان کے اندرونی حصّے میں داخل ہوا۔ وہ صرف باغیچے میں کام کرتے ہیں اور اپنا کام ختم کرنے کے بعد وہیں سے واپس چلے جاتے ہیں۔"

عنبر نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہا۔ "تب جنابِ والا، مجھے خود اس کمرے میں اکیلے رہ کر راارقن کا پیغام سُننا پڑے گا۔"

"نسیم، عاقِب اور پروفیسر دانش مند نے چونک کر اُسے دیکھا۔ "مگر یہ کیسے ممکن ہے؟" پروفیسر نے اعتراض کیا۔ "راارقن کی ممّی صرف مجھی سے بات کرتی ہے۔ تم سے نہیں بولے گی۔"

”یہ بات آپ اتنے یقین سے کیوں کر کہہ سکتے ہیں جناب۔“ عنبر نے سوال کیا اور پھر بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ راارقن کی لاش مجھ سے بات کرے گی۔ اب ہمیں اجازت دیجیے۔ آج ہی شام سورج غروب ہونے کے بعد ہم دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔“

گیدڑ دیوتا کی آمد

نسیم اور عاقِب اپنے ہیڈ کوارٹر میں، سر جوڑے بیٹھے راار قن کی پُر اسرار لاش اور اس کے عجیب و غریب حالات پر غور کر رہے تھے۔ جس قدر وہ ان واقعات کا جائزہ لیتے، اسی قدر الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی تھیں۔ تنگ آ کر نسیم نے کہا:

"لعنت بھیجو جی، اس چکّر پر۔ راار قن جانے اور پروفیسر دانش مند صاحب جانیں۔ ہم اس جھنجھٹ میں خواہ مخواہ کیوں پڑیں۔ میری بات مانو تو اس معاملے میں دخل ہی نہ دو۔ اگر سچ مچُ وہ لاش ہی بولتی ہو تو پھر؟"

”پھر کیا؟“ عاقِب نے کہا۔ ”ہم یہی تو معلوم کرنا ہے ہیں کہ لاش آخر کہتی کیا ہے؟“

”فرض کرو معلوم بھی ہو گیا، تب کیا ہو گا؟“ نسیم نے کہا۔ ”قاضی جی دُبلے کیوں شہر کے اندیشے میں۔“

”لاحول ولا قوۃ!“ ”بس تم بیٹھے لاحول پڑھے جاؤ۔“ عاقِب نے اُکتا کر کہا۔ پھر اس نے دیوار پر لگے ہوئے کلاک کو دیکھا۔ اس کی سوئیاں شام کے ساڑھے چھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ عاقِب نے منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے کہا:

”یہ عنبر نہ جانے کہاں چلا گیا۔ کہہ کر گیا تھا کہ ابھی چند منٹ میں واپس آتا ہوں۔ اِدھر شام ہونے والی ہے۔ ہمیں دوبارہ پروفیسر دانش مند کے مکان پر بھی جانا ہے۔ اللہ دار ڈرائیور کار لے کر آتا ہی ہو گا۔“

”مجھے تو سخت نیند آ رہی ہے۔“ نسیم نے وہیں ایک کونے میں بچھے کوچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”مابدولت تو کہیں جانے کے لیے تیّار نہیں۔“

عاقِب نے دانت پیس کر نسیم کو گھُورا۔ ابھی وہ کچھ سخت الفاظ نسیم کی شان میں کہنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ آہستہ سے ہیڈ کوارٹر کا دروازہ کھُلا اور پروفیسر دانش مند اندر آیا۔ اسے دیکھتے ہی نسیم اُچھل کر اُٹھا۔ عاقِب کا منہ بھی حیرت سے کھُلا ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ باہر کی دنیا کا کوئی شخص یُوں اُن کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں چلا آیا تھا۔

"پہ۔۔۔۔ پہ۔۔۔۔ پرو۔۔۔۔ فیسر۔۔۔۔ صاحب آپ؟" نسیم نے کہنا شروع کیا۔ "خیر تو ہے؟ آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ ہمارے ہیڈ کوارٹر کا پتا آپ کو کیوں کر معلوم ہوا؟ کیا عنبر اکیلا ہی آپ کے مکان پر تو نہیں چلا گیا؟ وہ کہاں ہے؟"

"ارے میاں، ایک دم اتنے سوال؟" پروفیسر دانش مند نے جواب دیا۔ "ذرا چھُری کے نیچے دم تو لو۔ ایک وقت میں ایک سوال کرو۔ افسوس! عنبر میاں ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ میں بڑی مُشکل سے اپنی جان بچا کہ یہاں آیا ہوں۔"

نسیم اور عاقِب کے کلیجے اُچھل کر حلق میں آ گئے۔ "کیا کہا آپ نے؟" وہ

دونوں چیخ اٹھے۔ ”عنبر کسی حادثے کا شکار ہو گیا؟“

ہاں، میاں۔ بڑا ہی خوف ناک حادثہ۔“ پروفیسر نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اب مجھے یقین آگیا کہ راارقن کی لاش ہی یہ شرارتیں کر رہی ہے۔ لیکن میں بھی ہمّت ہارنے والا نہیں۔ کوئلے دہکا کر اُسے راکھ کر ڈالوں گا۔“ ”لیکن۔۔۔۔۔ جناب۔۔۔۔۔ عنبر کہاں ہے؟“ عاقِب نے پوچھا۔ ”اس کا تو تُم لوگ اب فاتحہ ہی پڑھ لو۔“ پروفیسر دانش مند نے اپنے لمبے سفید کوٹ کی جیب سے رومال نکال کر بھیگی آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا۔ ”بے چارہ سخت زخمی ہوا ہے۔ اب تک چل بسا ہو گا۔ ہائے ہائے کیسا ذہین بچہ تھا۔ راارقن۔۔۔۔ خدا تُجھے غارت کرے۔۔۔۔۔“

عاقِب اور نسیم کا خون خشک ہو چکا تھا۔ پروفیسر دانش مند اب سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد نسیم نے کہا۔ ”مجھے پہلے ہی ڈر لگ رہا تھا کہ ضرور کوئی جادو واڈُو کا چکّر ہے۔ اس قسم کے مقبروں میں سے لاشیں نکال کر لانا اور پھر انہیں گھروں میں سجا کر رکھنا ہی غلط ہے۔“

”ہاہاہا! ہاہاہا!“ پروفیسر دانش مند نے زور سے قہقہہ لگایا۔ پھر اپنی سنہری

کمانیوں والی عینک اُتاری۔ اس کے بعد سر پر لگی ہوئی نقلی بالوں کی وگ علیحدہ کی۔ پھر ہلکی سی ڈاڑھی نوچی، جو صرف ٹھوڑی پر لگی ہوئی تھی۔ اب جو دیکھتے ہیں تو عنبر!

"کیوں؟ کیسی رہی؟" اس نے ہنس کر کہا۔ "کیسا بے وقوف بنایا تم دونوں کو؟"

"جی ہاں۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ آواز میری سُنی ہوئی ہے۔ میں نے سوچا، چلو، اپنا دل خوش کر لینے دو۔ تھوڑی دیر کے لیے بے وقوف ہی بن جاؤ۔ مگر بھئی تم نے پروفیسر دانش مند کا بھیس خوب بھرا۔ قسم سے خود پروفیسر تمھیں اس حُلیے میں دیکھے تو یہی سمجھے کہ آئینے کے سامنے کھڑا ہے۔ کمال کر دیا تم نے۔ لیکن یہ قصّہ کیا ہے؟"

"میں نے سوچا کہ پروفیسر دانش مند کے بھیس میں راارقن کے سامنے جاؤں گا تو شاید وہ دھوکا کھا کر بولنے لگے۔ عنبر نے جواب دیا۔ "اسی لیے ابھی ابھی میں نیچے اللہ داد کو ساتھ لے کر ضیغم خان اداکار کے پاس گیا تھا۔ یہ میک اَپ اور یہ حُلیہ اسی نے بنایا ہے۔"

"سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے تمہاری عقل واقعی گھاس چرنے چلی گئی ہے۔" نسیم نے جھلّا کر کہا۔ "کہیں تین ہزار سال پرانی لاشیں بھی اس قسم کے دھوکے کھا سکتی ہیں؟ تمہارا خیال ہے رار قن کی لاش دیکھ اور سُن سکتی ہے؟ اس قسم کی حماقتیں تم ہی کو مبارک ہوں۔ میں باز آیا ایسی جاسوسی سے۔ بہتر یہ ہے کہ تم دونوں رار قن کی لاش سے گفت و شنید کرو اور میں بیگم زیب علی کی کھوئی ہوئی بلّی ڈھونڈنے جاؤں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت ہمارے ساتھ، پروگرام کے مطابق، پروفیسر صاحب کے مکان پر جانے کے لیے تیّار نہیں ہو؟" عنبر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آپ تشریف لے جایئے۔" نسیم نے اطمینان سے کوچ پر پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم لوگوں کو میری مدد کی ضرورت ہو تو ٹیلی فون کر دینا۔ میں پہنچ جاؤں گا۔۔۔۔ اور ہاں۔۔۔۔۔۔ ذرا ہاتھ پیر بچا کر کام کرنا۔ میں نے سنا ہے رار قن کی لاش، مار بیٹھتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم یہیں مرو۔ ہم جاتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "اور اگر جی

گھبرائے تو کسی رکشا یا ٹیکسی میں بیٹھ کر وہیں آ جانا۔ ہو سکتا ہے کچھ اچھّا تماشا دیکھنے کو مِل جائے۔ آؤ عاقِب۔ باہر نکلیں۔ اللہ داد ہمارا انتظار کر رہا ہے۔"

کار میں سوار ہو کر عنبر نے دوبارہ پروفیسر دانش مند کا بھیس بدل لیا۔ ایک گھنٹے بعد وہ پروفیسر کے مکان پر پہنچ گئے۔ پروفیسر نے حیرت اور تعجّب سے دیکھا کہ اسی کے حُلیے، جسم اور قد و قامت کا شخص کار میں سے اُتر کر چلا آ رہا ہے۔ وہ بھونچکا رہ گیا۔ لیکن جب عاقِب نے اسے بتایا کہ آپ آئینہ نہیں دیکھ رہے، یہ سُراغ رساں نمبر ایک عنبر ہے تو پروفیسر کی جان میں جان آئی۔ عنبر نے اسے بتایا کہ رارقن کا پیغام سُننے کے لیے یہ بھیس بنایا ہے۔

"اب جنابِ والا، میں مزید وقت ضائع کیے بغیر فوراً رارقن کے کمرے میں جانا چاہتا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "مگر آپ لوگ وہاں نہیں جائیں گے۔ میں اکیلا اس کمرے میں رہوں گا۔"

پروفیسر نے بڑی خوشی سے اس کو اجازت دے دی۔ وہ بالکل پروفیسر کے

انداز میں چلتا ہوا اُس کمرے میں گیا جہاں راارقن کی لاش تابوت میں رکھی تھی۔ اس نے سب سے پہلے چھت پر لگا ہوا برقی بلب روشن کیا، پھر کھڑکیاں کھولیں۔ اس کے بعد تابوت کا ڈھکنا اُٹھا کر راارقن پر ایک نظر ڈالی۔

"راارقن! راارقن!" عنبر نے پروفیسر دانش مند کے لہجے کی نقل اُتارتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "بولو! بات کرو! میں تمہاری آواز سُنوں گا۔۔۔۔۔ میں اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ بولو!"

چند لمحے بعد یوں محسوس ہوا جیسے اس نے نہایت مدّھم آواز سُنی ہے۔ جیسے کوئی سرگوشیاں کر رہا ہو۔ اس نے اپنی گردن راارقن کے قریب جھکائی تاکہ صاف طور پر اس کا پیغام سُن سکے۔ بے شک فضا میں الفاظ پھیل رہے تھے لیکن کسی نامعلوم اور اجنبی زبان میں۔ ایسی زبان جو عنبر نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اس نے سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ آواز واقعی تابوت ہی کے اندر سے آ رہی تھی۔ برابر والے کمرے کا دروازہ بند تھا جہاں پروفیسر دانش مند اور عاقِب بیٹھے بے چینی سے اس عجیب و غریب تجربے کے نتیجے

کا انتظار کر رہے تھے۔ اُدھر سے کوئی آواز آنے کا سوال ہی نہ تھا۔

عنبر نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا جو بیٹری سے چلتا تھا اور اس کا ننّھا مائیکروفون رارقن کے کھلے ہونٹوں سے کوئی ایک انچ دور رکھ کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبا دیا۔ پھر پروفیسر دانش مند کی آواز بنا کر کہا:

"رارقن! بولتے رہو۔ میں تمہارا پیغام سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔۔۔۔ دوبارہ بولو؟"

چند لمحوں بعد وہی پراسرار، مدّھم۔۔۔۔۔ سرگوشیوں کی سی آواز دوبارہ آنے لگی۔ عنبر کو پورا یقین تھا کہ اس کا ٹیپ ریکارڈ اس آواز کو ضرور ریکارڈ کرے گا۔

کوئی ایک منٹ تک یہ آواز سنائی دیتی رہی۔ اس کے بعد اچانک خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے لمبا سانس کھینچ کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن بند کر دیا۔ پھر دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں گیا۔

پروفیسر دانش مند بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ عنبر کو واپس آتے

دیکھ کر اس نے کہا:

”کہو میاں، کچھ کام یابی ہوئی؟“

”جی ہاں۔ راار قن کی ممّی نے مجھے پروفیسر سمجھ کر بولنا شروع کر دیا تھا۔ اب ٹیپ ریکاڈر چلا کر دیکھتا ہوں کہ اس کی آواز ریکارڈ ہو سکی ہے یا نہیں۔“

انہوں نے جھٹ پٹ ریکارڈر میز پر رکھا۔ پھر جتنی ٹیپ چل چُکی تھی، اسے واپس لپیٹا اور بٹن دبا دیا۔ تینوں کی نظریں گھومتے ہوئے ٹیپ پر جمی تھیں۔ چند سیکنڈ تک ٹیپ چلتے کی سرسراہٹ سنائی دیتی رہی۔ اس کے بعد کسی نامعلوم زبان میں ایک آدھ لفظ بہت مدّھم آواز میں سنائی دینے لگا۔ پروفیسر پلک جھپکائے بغیر بڑی توجّہ سے راار قن کا پیغام سُن رہا تھا۔

”کہیے جناب، کچھ سمجھ میں آیا؟“ عنبر نے پروفیسر سے پوچھا۔

پروفیسر دانش مند نے مایوسی سے گردن ہلائی۔

”میں نے دنیا کی بہت سی پرانی زبانوں کا مطالعہ کیا ہے، لیکن یہ زبان نہ

جانے کون سی ہے۔ ایک لفظ بھی پلّے نہیں پڑا۔ لیکن میرا خیال ہے، ہمارا دوست پروفیسر آزاد ضرور اِسے سمجھ لے گا۔ وہ پرانی زبانوں کا وسیع علم رکھتا ہے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ وہ میرے پرائیویٹ سیکریٹری شرافت علی کا بیٹا ہے، جسے رارقن کی لاش دریافت ہونے کے چند دن بعد قاہرہ کے ایک بازار میں نامعلوم قاتلوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ آؤ، یہ ٹیپ اُس کے پاس لے چلیں۔ ہمیں اس کے مکان تک پہنچنے میں پانچ سات منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ میں نے پہلے بھی پروفیسر آزاد سے اس پراسرار آواز کا ذکر کیا تھا، لیکن اس نے میری بات کو ایک وہم سے زیادہ اہمیّت نہ دی۔"

یہ کہہ کر پروفیسر دانش مند نے نادِر خاں کو آواز دی اور کہا "دیکھو! میں ان مہمانوں کے ساتھ پروفیسر آزاد کے گھر تک جا رہا ہوں۔ ہماری غیر حاضری میں تم ہوشیاری اور حاضر دماغی سے گھر کی حفاظت کرنا۔ اگر کوئی غیر معمولی بات دیکھو تو فوراً فون کر کے مجھے اِطّلاع دینا۔ سمجھ گئے؟"

"سمجھ گیا، جناب۔" نادِر خان نے جواب دیا۔

باہر اللہ داد ڈرائیور مرسیڈیز لیے موجود تھا۔ تینوں اس میں سوار ہو گئے۔ چُوں کہ سڑک تنگ تھی اور راستہ اُونچا نیچا تھا، اس لیے پروفیسر آزاد کے مکان کے کچھ نزدیک پہنچ کر اللہ داد نے کار روک لی اور کہا:

"میاں، گاڑی آگے نہیں جا سکے گی، کیوں کہ ڈھلان خطرناک ہے۔ کچھ فاصلہ آپ لوگوں کو پیدل ہی طے کرنا ہو گا۔ میں یہاں رُک کر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔" "بہت بہتر ہمیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" عنبر نے کہا اور وہ تینوں کار سے اُتر کر پروفیسر آزاد کے مکان کی طرف چلے۔

نادِر خاں باورچی خانے میں رات کا کھانا پکا رہا تھا۔ پروفیسر نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ تین آدمیوں کا کھانا زیادہ پکائے۔ پروفیسر نے سوچا تھا کہ وہ ننّھے سُراغ رسانوں کو رات کا کھانا کھلا کر ہی رُخصت کرے گا۔

کام کرتے کرتے یکایک نادِر خاں کے کانوں میں ایسی آواز آئی جیسے مکان کے کسی کمرے میں کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو۔ اس وقت نادِر خاں آٹا گوندھ رہا تھا۔ اس نے فوراً کام چھوڑ کر اِس آواز کی طرف دھیان لگا دیا۔ اس مرتبہ کسی شک اور شبہے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ یقیناً کوئی آدمی مکان

میں گھُس آیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی چور ہو، کیوں کہ مکان میں قیمتی اور نادِر چیزوں کی کمی نہ تھی۔ ایک ایک چیز ہزاروں لاکھوں روپے میں بِک سکتی تھی۔

آواز عجائب گھر کی جانب سے آئی تھی۔ نادِر خاں نے ایک پرانی زنگ آلود تلوار، جو باورچی خانے کی دیوار پر محض سجاوٹ کے لیے لگائی گئی تھی، لپک کر اُٹھالی اور آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا عجائب گھر کی طرف چلا۔ مکان میں ہر طرف بتّیاں جل رہی تھیں اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آتی تھی۔ نادِر خاں نے رارقن کی لاش والے کمرے کا معائنہ کیا۔ ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی۔ رارقن اپنے تابوت میں لیٹا تین ہزار برس سے گہری نیند کے مزے لے رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر نادِر خان کو بدن میں ہلکی سی جھرجھری دوڑ گئی۔ کمرے کی کھڑکیاں بھی بند تھیں اور یہ کھڑکیاں نادِر خاں نے پروفیسر اور ان دونوں لڑکوں کے جانے کے بعد خود بند کی تھیں۔

وہ حیران تھا کہ آواز کہاں سے آئی تھی! اُس کے کان دھوکا نہیں کھا سکتے

تھے۔ مکان میں ضرور کوئی آیا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ باغیچے کی طرف چلا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ جُوں ہی اس نے باغیچے میں قدم رکھا، وہ چوکنّا ہو گیا۔ کچھ فاصلے پر کسی نامعلوم آدمی کے چُپکے چُپکے بولنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے بدن کا ایک ایک رونگٹا دہشت سے کھڑا ہو گیا اور وہ سامنے اندھیرے میں گھُور گھُور کر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

یکایک باغیچے کے کناروں پر لگی ہوئی جھاڑیوں میں ہل چل سی ہوئی۔ نادِر خاں نے تلوار مضبوطی سے تھام لی۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی ہولے ہولے قدم دھرتا اسی کی جانب چلا آتا ہے۔ مگر جب وہ قریب آیا اور نادِر خاں نے اس کی صورت دیکھی تو خوف سے تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

آنے والے کا جسم انسان کا، لیکن چہرہ گیدڑ کا سا تھا۔

"اینوبَس ۔۔۔ گیدڑ دیوتا۔۔۔" نادِر خاں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

گیدڑ دیوتا نے ایک قدم اور اس کی طرف بڑھایا اور پھر اپنا ایک بازو اُوپر

اُٹھا دیا۔ نادِر خان کی کن پٹیاں خوف سے سنسنانے لگیں۔ اسے ایک چکّر سا آیا۔ ہر شے نظروں کے سامنے گھومنے لگی۔ پھر وہ بل کھا کر دھڑام سے گھاس پر چاروں شانے چِت گر گیا۔ اس کے ہوش و حواس جواب سے چکے تھے۔

گھنٹی کا بٹن دباتے ہی پروفیسر آزاد کے چھوٹے سے خوب صورت مکان کا دروازہ کھُل گیا۔ دروازہ کھولنے والا خود پروفیسر آزاد تھا۔ اس نے دانش مند پر تعجّب کی نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔

"ارے! پروفیسر دانش مند، آپ؟ خیر تو ہے؟ آیئے آئے۔ اندر تشریف لے آیئے۔ آپ کا میرے غریب خانے پر آنا میری بڑی خوش نصیبی ہے۔ اور یہ لڑکے کون ہیں؟"

"ابھی سب کچھ بتاتا ہوں۔" دانش مند نے ڈرائنگ روم میں صوفے پر

بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ذرا جلدی سے ٹیپ ریکارڈر چلاؤ عنبر میاں، تاکہ پروفیسر آزاد بھی رااِرقن کی آواز سُن سکیں۔“

”رااِرقن کی آواز؟“ پروفیسر آزاد نے حیرت سے کہا۔ اُسے شاید یقین نہیں آرہا تھا کہ تین ہزار برس پرانی کسی لاش کی آواز بھی ریکارڈ کی جاسکتی ہے۔ ”تعجّب ہے۔ بہر حال، ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ رااِرقن کیا کہنا چاہتا ہے۔“

”بھئی، قسم لے لو جو میں ایک لفظ بھی سمجھ سکا ہوں۔“ پروفیسر دانش مند نے کہا۔ ”البتہ مجھے یقین ہے کہ تم کچھ نہ کچھ ضرور سمجھ جاؤ گے؟“

پروفیسر آزاد نے جلدی سے ٹیپ ریکارڈر چلایا اور رااِرقن کی پُراسرار آواز سُننے کے لیے پوری توجّہ سے اپنے کان لگا دیے۔

اور یہی وہ وقت تھا جب نسیم نے پروفیسر دانش مند کے مکان پر پہنچ کر گھنٹی

کا بٹن دبایا۔ اسے واقعی نیند آگئی تھی۔ یکایک اس کی آنکھ کھُلی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ عنبر اور عاقِب کا کہیں پتانہ تھا۔ اس نے جلدی سے پروفیسر دانش مند کے ٹیلے فون کا نمبر تلاش کر کے رِنگ گیا۔ دیر تک ٹیلے فون کی گھنٹی کی آواز کان میں آتی رہی، مگر کسی نے ریسیور نہ اُٹھایا۔ آہستہ آہستہ بہت سے خدشے اور خطرے نسیم کے ذہن میں پیدا ہونے لگے۔ کہیں عنبر اور عاقِب پروفیسر دانش مند سمیت کسی آفت میں تو نہیں پھنس گئے؟ وہ فوراً ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلا۔ اتّفاق سے ایک خالی رکشا قریب سے گُزر رہا تھا، اسے روکا اور دُگنے کرائے کا لالچ دے کر پروفیسر دانش مند سے مکان کی جانب روانہ ہوا۔ اسے شرمندگی تھی کہ ساتھیوں کے ہمراہ کیوں نہ گیا۔ یہ بات تو دوستی کے اصولوں کے خلاف ہے۔

دانش مند کے مکان کے برآمدے میں روشنی ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر نسیم کی جان میں جان آئی۔ اس نے بڑھ کر بڑے دروازے پر لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبایا۔ مکان کے کسی اندرونی حصّے میں گھنٹی بجی۔ لیکن دروازہ کھولنے کوئی نہ

آیا۔ اس نے بے صبری سے بار بار گھنٹی بجائی، مگر بے سود۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مکان میں کوئی ہے ہی نہیں۔ ایک بار پھر اُس کا جی گھبرایا۔ لیکن ہمّت سے کام لے کر اُس نے آہستہ سے بڑے دروازے کو دھکّا لگایا۔ خُدا کا شکر ہے کہ دروازے میں تالا نہیں لگا تھا۔ نسیم اندر داخل ہوا اور گلا پھاڑ کر چیخا:

"نادِر خان! نادِر خان۔۔۔۔! کہاں ہو تم؟"

اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ نسیم نے پھِر آواز دی اور جواب سے مایوس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ بظاہر کوئی گڑبڑ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ سیدھا اس کمرے کی طرف گیا جس میں رااَرقن کی لاش رکھی تھی۔ اس نے دیکھا کہ تابوت موجود اور اس کے اوپر ڈھکنا لگا ہوا ہے۔ کمرے کی ہر چیز جُوں کی توں ہے۔ اس کے باوجود نسیم کے دل میں سے آواز آرہی تھی کہ کہیں نہ کہیں معاملہ خراب ہے۔ آخر نادِر خان، پروفیسر دانش مند، عنبر اور عاقِب سب کہاں گئے؟

اُس نے ارادہ کیا کہ تابوت کا ڈھکنا ہٹا کر رااَرقن کو دیکھے۔ مگر پھِر یہ سوچ

کر رُک گیا کہ اگر لاش بول پڑی تو کیا ہو گا! وہ پلٹ کر باغیچے کی جانب گیا۔ وہاں گھُپ اندھیرا تھا۔ چوں کہ وہ روشنی سے ایک دم اندھیرے میں آیا تھا اس لیے تھوڑی دیر تک اسے اِرد گرد کا منظر دکھائی نہ دیا۔ آسمان صاف تھا۔ تارے چمک رہے تھے۔ چاروں طرف نہایت ہیبت ناک سنّاٹا پھیلا ہوا تھا۔ یکایک اس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی ایک لہر سی دوڑتے ہوئے محسوس کی۔ کوئی چیز اس سے تین چار فٹ کے فاصلے پر پڑی چمک رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ یہ ایک پرانی زنگ آلود تلوار تھی جس کا دستہ ستاروں کی روشنی پڑنے سے چمک رہا تھا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے تلوار اُٹھائی۔ یقیناً یہ پروفیسر دانش مند کے عجائب گھر ہی میں کہیں سجی ہوئی ہو گی۔۔۔۔ لیکن اب یہاں۔۔۔۔ باغیچے میں اِسے کون لایا؟ ابھی وہ غور کر ہی رہا تھا کہ جھاڑیوں میں جنبش سی ہوئی۔ پھر کوئی چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر اس کے اوپر آن گرا۔

دہشت سے نسیم کی چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدن کی آخری قوّت بھی استعمال کر ڈالی۔ بہت جلد اُسے پتا چل گیا کہ حملہ کرنے

والا کوئی درندہ نہیں، بلکہ اسی جیسا ایک لڑکا ہے۔ نسیم نے اپنے جوڈو کراٹے کے داؤ آزمائے۔ چند لمحے بعد حملہ آور اس کے قابو میں آچکا تھا۔

آفت پر آفت

نسیم اس کی گردن دبوچ کے مکان کی ڈیوڑھی میں لے گیا۔ وہاں روشنی ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو دِن کے وقت ان جھاڑیوں میں چھُپا ہوا تھا اور جس نے بھاگتے ہوئے اس کی کلائی میں اتنے زور سے کاٹا تھا کہ خون اُبل پڑا تھا۔

"اخّاہ! تو یہ تم ہو؟" نسیم نے دانت پیس کر کہا۔

"چھ۔۔۔۔ و۔۔۔۔۔ ڑو۔۔۔۔ چھوڑو۔۔۔۔ مجھے۔۔۔" اس لڑکے نے

اٹک اٹک کر اُردُو میں کہا۔ اس کا اُردُو لہجہ بتاتا تھا کہ وہ کسی عرب ملک کا رہنے والا ہے اور اسے یہاں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟" نسیم نے اُس کی گردن پر اپنے ہاتھ اور مضبوط کر دیے۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"تم۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ پہلے ہمارے دادا کے دادا کے دادا رارقن کو واپس کرو۔" لڑکے نے چلّا کر کہا۔ "تمہیں کیا حق ہے کہ اُسے اِس مکان میں رکھو۔ وہ ہمارا ہے۔۔۔۔۔"

"کیا بَک رہے ہو؟" نسیم نے بھنّا کر کہا۔ "رارقن سے تمہارا کیا تعلّق ہے؟ اُسے پروفیسر دانش مند مصر سے لایا ہے۔ وہ لاش اب پروفیسر کی ملکیّت ہے۔ سمجھے؟"

لڑکا سخت غصّے میں، اپنی چمکیلی سیاہ آنکھوں سے نسیم کو گھُور رہا تھا، اُس کا بس چلتا تو وہ اس کو کچّا ہی چبا جاتا۔ آخر اس نے گرج کر کہا:

"تم۔۔۔۔ بے وقوف۔۔۔۔ احمق۔۔۔۔۔ تم رارقن کو نہیں

جانتے۔۔۔ اگر تمہیں اس کی بد دُعا لگ گئی تو برباد ہو جاؤ گے۔ تم کہتے ہو کہ را ار قن تمہاری ملکیّت ہے۔۔۔ اونہہ!۔۔۔ احمق! اُسے ابھی تھوڑی دیر پہلے دو آدمی چُرا کر لے گئے ہیں۔ اب اس کا تابوت خالی پڑا ہے۔"

"را ار قن کو دو آدمی چُرا کر لے گئے؟" نسیم نے بڑبڑا کر کہا۔ "مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔۔ میں نے خود ابھی اپنی آنکھوں۔۔ نہیں۔۔۔ تم جھوٹ بولتے ہو؟"

"میں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" لڑکے نے چیخ کر کہا۔ "تم لیبیا میں جا کر جس سے جی چاہے پوچھ لو کہ حامد جھوٹا ہے یا سچّا۔"

"اچھا، تو تمہارا نام حامد ہے اور تم لیبیا سے آئے ہو۔" نسیم نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیبیا ہمارا دوست ملک ہے۔ مہربانی کر کے اپنے بارے میں تفصیل بتاؤ کہ تم کون ہو، اور اس مکان میں کس لیے چھُپے ہوئے تھے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو گا تمہاری مدد کروں گا۔"

یہ کہہ کر نسیم نے حامد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پہلے کی طرح بھاگ نکلے گا، لیکن وہ سینہ تانے، بے خوفی سے، وہیں کھڑا رہا۔ شاید اُس نے بھی نسیم کے وعدے پر اختیار کر لیا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔اب پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" اس نے کہا۔

"مجھے بتاؤ کہ رالا رقن سے تمہارا کیا تعلّق ہے؟"

"سنو! ہم رالا رقن کی اولاد میں سے ہیں۔" حامد نے کہنا شروع کیا۔ "آج سے تین ہزار برس پہلے پہلے لیبیا کے بادشاہ نے مصر پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا تھا۔ رالا رقن بھی شاہی خاندان سے تھا۔ بہت نیک اور انصاف کرنے والا شہزادہ۔ اُسے انسانوں پر ظلم و ستم سے بڑی نفرت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے بادشاہ کو رعایا پر ظلم کرنے سے روکا تھا۔ تبھی سے بادشاہ اس کا جانی دشمن ہو گیا۔ آخر ایک دن اس نے موقع پا کر رالا رقن کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ رالا رقن کے رشتے داروں نے خاموشی سے اسے ایک الگ تھلگ مقام پر دفن کر دیا، کیوں کہ انہیں خوف تھا کہ ظالم بادشاہ رالا رقن کی لاش کو آگ میں ڈال کر راکھ کر ڈالے گا۔

راارقن کو دفن کرنے کے بعد اس کے تمام رشتے دار ایک ایک کر کے اپنے وطن لیبیا واپس چلے آئے۔ اس وقت سے یہ کہانی ہمارے خاندان میں چلی آرہی ہے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ راارقن کو واپس اپنے وطن لے جائیں تاکہ تین ہزار برس سے اس کی بے چین روح کو سکون مل سکے۔ اِسی مقصد کے لیے میرے باپ نے اپنے ایک ملازم ابراہیم کو یہاں بھیجا، اور چوں کہ میں اپنے باپ کا سب سے بڑا بیٹا ہوں، اس لیے مجھے بھی ساتھ آنا پڑا۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم اپنے دادا کے دادا کی لاش واپس لے کر جائیں مگر افسوس کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے دو آدمی اس مکان میں تھے اور راارقن کی لاش تابوت سے نکال کر لے گئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے انہیں لاش لے جاتے دیکھا ہے۔" یکایک مکان کے باہر کسی ٹرک کے رُکنے کی آواز آئی۔ حامد نے گھبرا کر کہا "شاید وہی چور پھِر آ گئے!"

دونوں جلدی سے ستُون کی آڑ میں ہو گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ دو آدمی ایک ٹرک میں سے اُترے اور مکان کے اندر گھُسے آرہے ہیں۔ ظاہر ہے وہ چند لمحے بعد اُن لڑکوں کو دیکھ لیتے۔ نسیم نے حامد کا بازو تھاما اور اُسے

گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ اُسی کمرے کی طرف جہاں راارقن کی لاش کا تابوت پڑا تھا۔ خالی تابوت!

"یہ وہی ہیں۔" حامد نے آہستہ سے کہا۔ "جو راارقن کی لاش چُرا کر لے گئے ہیں۔"

"خدا کی پناہ! وہ اِسی کمرے کی طرف آرہے ہیں۔" نسیم نے بدحواس ہو کر کہا۔

"ہمیں کہیں چھُپ کر دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا کرتے ہیں؟" حامد نے کہا۔ "میرے خیال میں بہترین جگہ راارقن کا خالی تابوت ہے۔ ان لوگوں کو کبھی شک نہیں ہو سکتا کہ اس کے اندر کوئی چھُپا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نسیم نے تابوت کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔

اِدھر یہ دونوں تابوت کے اندر گھُسے، اُدھر وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے اندر آئے۔ نسیم نے جیب سے چھوٹی

سی پنسل نکال کر تابوت کے کنارے رکھ دی تھی تا کہ تھوڑی سی جھِری

کھُلی رہے۔ اس کے دو فائدے تھے۔ ایک یہ کہ تازہ ہوا تابوت کے اندر آتی رہے، دوسرے یہ کہ وہ اُن چوروں کی باتیں سُن سکیں۔

پہلے شخص نے کمرے میں آتے ہی تابوت کی طرف قدم بڑھائے اور اپنے ساتھی سے کہا:

"ابے گُلّو! رسّی ساتھ لایا ہے نا؟ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اس لاش کے ساتھ لکڑی کا یہ صندوق بھی بڑا قیمتی ہے تو اُسی وقت اِسے بھی لے جاتے۔ دوسرا پھیرا خواہ مخواہ لگانا پڑا۔"

گُلّو نے جواب دیا۔ "گھبراؤ مت، اُستاد۔ رسّی ہر وقت میرے پاس رہتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی کمر سے بندھی ہو پتلی سی، لیکن بے حد مضبوط، رسّی کھولی۔ پھر دونوں نے مل کر اس رسّی سے تابوت کو باندھا اور کندھوں پر اُٹھا کر باہر چلے۔ نسیم اور حامد دم سادھے بیٹھے رہے۔ گُلّو کے ساتھی کہا۔ "یہ صندوق تو بڑا بھاری ہے۔ دیکھنے میں ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ ذرا اچھی طرح دیکھ لے، کوئی اور لاش اس میں نہ ہو۔"

یہ سُنتے ہی نسیم کا مارے خوف کے دم نکل گیا۔ لیکن اُسی وقت گلّو کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”نہیں اُستاد، تمہیں وہم ہوا ہے۔ بھلا اس صندوق میں دوسری لاش کہاں آئی۔ بس نکل چلو۔ ایسا نہ ہو کوئی آ جائے۔“

”ہاں۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔“ اُستاد نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم اُس شخص سے ڈبل پھیرے کے پیسے وصول کریں گے۔ پھر یہ صندوق اُس کے حوالے کریں گے۔“

انہوں نے تابوت کو لے جا کر ٹرک کے اندرونی حصّے میں رکھ دیا۔ پھر ٹرک کا دروازہ کھول کر دونوں اندر بیٹھ گئے۔ انجن سٹارٹ ہوا اور ٹرک آہستہ آہستہ پتلی تنگ سڑک پر دوڑنے لگا۔

تابوت کے اندر نسیم اور اس کے ساتھ وہ اجنبی لڑکا چوہوں کی طرح دُبکے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ ان کی منزل کہاں ہے اور یہ ٹرک انہیں کِدھر لے جا رہا ہے!

مطلب نکل آیا!

ٹیپ ریکارڈر کوئی بیس مرتبہ چلایا جا چکا تھا۔ پروفیسر آزاد انتہائی توجّہ سے را
ارقن کے پُراسرار پیغام کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے گرد
بے شمار موٹی موٹی ڈکشنریوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ پنسل اور کاغذ سامنے
رکھے، وہ کبھی کوئی لفظ کاغذ پر لکھتا، پھر اس کے معنی الگ الگ ڈکشنریوں
میں دیکھتا۔ کبھی پریشان ہو کر ساری عبارت کاٹ دیتا اور سر کو زور زور سے
جھٹکے دیتا ہوا کھڑکی کے پاس جا کر تاروں بھرے آسمان کو تکنے لگتا۔ کوئی
اسے دیکھتا تو یہی خیال کرتا کہ پروفیسر پاگل ہو گیا ہے۔ لیکن وہ پاگل نہیں

تھا۔

عنبر، عاقِب اور پروفیسر دانش مند خاموش بیٹھے یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ یکایک پروفیسر آزاد کے مکان کے دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔ پروفیسر چونکا اور اپنے مہمانوں سے کہا۔ "معاف کیجیے، میں ابھی حاضر ہوا۔ نہ جانے اس وقت کون آیا ہے۔" یہ کہ کر وہ تیز تیز قدیم اُٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

پروفیسر دانش مند نے پہلو بدل کر سگرٹ سلگایا اور عنبر کہنے لگا۔ "مجھے پورا یقین ہے کہ پروفیسر آزاد رااِر قن کا پیغام سمجھ لے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" عنبر نے جواب دیا اور عادت کے مطابق اپنا نچلا ہونٹ نوچنے لگا۔ شاید وہ بھی کوئی گتھّی سلجھانے میں لگا ہوا تھا۔ پانچ منٹ بعد پروفیسر آزاد کمرے میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی اور ٹرے میں میں گرم گرم چائے سے بھرے ہوئے تین مگ دھرے تھے۔

"لیجئے، آپ لوگ اتنے میں چائے سے شوق فرمایئے۔" اس نے ایک ایک

مگ تینوں کے سامنے رکھ دیا۔ ”میں اس دوران میں ایک مرتبہ پھر ٹیپ ریکارڈر چلا کر راارقن کی آواز سُنتا ہوں۔ ایسے مجھے کچھ کچھ اُمّید ہو چلی ہے کہ میں اس کا پیغام سمجھ لوں گا۔“

”اس وقت کون ملنے آیا تھا تم سے؟“ پروفیسر دانش مند نے پوچھا۔

”کسی یتیم خانے کے لیے چندہ مانگنے والے ایک صاحب آئے تھے۔ میں نے انہیں چند روپے دے کر ٹال دیا۔ واپس آتے ہوئے سوچا کہ آپ لوگوں کو کم از کم ایک آدھ پیالی چائے ہی پلا دُوں، بس چائے میں دیر ہوئی۔“ ٹیپ ریکارڈر اکیسویں مرتبہ چلایا گیا، اور پھر بند کر دیا گیا۔

پروفیسر آزاد نے دوبارہ ایک نئی عبارت کاغذ پر لکھی۔ پھر دیر تک مختلف الفاظ کے معنی ڈکشنریوں میں دیکھے اور کچھ کاٹ چھانٹ کی۔ آخر اس نے کاغذ موڑ کر اپنی جیب میں رکھا اور پروفیسر دانش مند کی طرف دیکھ کر بولا:

”جناب، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے راارقن کے پراسرار پیغام کا معمّا حل کر لیا ہے۔ یہ دنیا کی انتہائی پرانی، بلکہ سب سے پرانی زبان میں

ہے۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔"

"مگر کیا؟" پروفیسر دانش مند بے چین ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ "تم کچھ چھپاؤ مت۔ بے خوف ہو کر بیان کرو؟"

"جی ہاں۔۔۔۔ جی ہاں۔۔۔۔۔" پروفیسر آزاد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے، عرض کرتا ہوں۔ پیغام یہ ہے:

راارقن اپنے گھر سے بہت دور لے جایا گیا ہے۔ اُس کی گہری نیند میں خلل ڈال دیا گیا۔ ان سب سے خوف ناک انتقام لیا جائے گا جو راارقن کو نیند سے جگانے کا سبب بنے ہیں۔ جب تک راارقن کو سکون نہ ملے گا، اُن میں سے کسی کو سکون حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر انہوں نے راارقن کو اس کے گھر نہ پہنچایا تو وہ سب ایک ایک کر کے موت کی نیند سو جائیں گے۔"

عاقِب کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ خود عنبر کا چہرہ بھی خوف سے زرد پڑتا جا رہا تھا۔ پروفیسر دانش مند پتھّر کے بے جان بُت کی طرح ٹکٹکی باندھے پروفیسر آزاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب وہ پیغام سُنا کو چُپ ہوا تو کمرے میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ آخر دانش مند نے کہا:

”میں رارقن کی اِن دھمکیوں میں آنے والا نہیں۔ میں ایک سائنس دان ہوں، اور سائنس دان ہونے کی حیثیت سے اس قسم کی بے ہودہ باتوں اور بولتی لاشوں پر بالکل یقین نہیں کرتا۔“

”آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔“ پروفیسر آزاد کہنے لگا۔ ”میں خود ان خرافات کا قائل نہیں ہوں۔ لیکن یہ آپ کو ماننا پڑے گا کہ اس سارے قصّے کے پیچھے کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔ کوئی گہری سازش۔ میں اب بھی آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ رارقن کی لاش ایک دو روز کے لیے میرے مکان پر بھجوا دیجیے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور پیغام بھی دے۔“

پروفیسر دانش مند نے گردن انکار میں ہلائی اور کُرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ”نہیں، میرے دوست۔ اگر اس معاملے میں کوئی چال چلی جا رہی ہے اور مجھے بعض لوگ خوف زدہ کر کے رارقن کی لاش واپس مصر بھجوانے کے درپے ہیں، تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ پروفیسر دانش مند ان گیدڑ بھبکیوں میں آنے والا آدمی نہیں۔ میں ان بدمعاشیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گا۔ اچھّا، ہم نے تمھارا بہت وقت ضائع کیا۔ اب اجازت دو۔ اگر

کسی اور وقت تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو میں تمہیں ٹیلے فون کر دوں گا۔"

پروفیسر آزاد ان سب کو دروازے تک رخصت کرنے آیا۔ وہاں سے وہ کچھ دُور پیدل چل کر سڑک پر آئے۔ اللہ دار مرسیڈیز کار میں بیٹھا ریڈیو پر گانے سن رہا تھا۔ پانچ منٹ بعد پروفیسر دانش مند کے مکان پر اس نے کار روکی۔ تینوں باہر نکلے۔ پھر وہ بڑے دروازے کی طرف چلے۔ دروازہ چوپٹ کھلا پڑا تھا۔ پروفیسر دانش مند نے حیرت سے بڑبڑا کر کہا:

"ارے! دروازہ کھلا ہے! حال آں کہ میں نے ہزار مرتبہ نادِر خان کو سمجھایا ہے کہ دروازہ کسی وقت بھی کھلا نہ چھوڑا جائے۔ اچھّا، ابھی اُس کی خبر لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ڈیوڑھی میں آیا اور حلق پھاڑ کر چلّایا۔ "نادِر خان! نادِر خان!" مگر اس کی آواز دیواروں سے ٹکرا کر رہ گئی۔ جواب میں نادِر خان کی آواز نہ آئی۔

”تعجّب ہے!“ پروفیسر نے کہا۔ ”یہ نادیہ خان کم بخت کہاں چلا گیا ہے؟“

”جناب، مجھے اندیشہ ہے کہ نادِر خان کو ضرور کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ فوراً! اندر چلیے۔“عنبر نے کہا۔

”ہو سکتا ہے نادِر خان رار قن کے کمرے میں ہو۔“ عاقِب نے کہا۔

تینوں لپکے ہوئے مکان کے حصّے میں گئے جہاں عجائب گھر بنایا گیا تھا۔ رار قن کا کمرا ویسا ہی تھا۔ ایک لمحے کے لیے انہیں کسی تبدیلی کا احساس نہ ہوا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے عاقِب نے تھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”غضب ہو گیا! رار قن کا تابوت ندارد ہے۔“

کمرے کے فرش پر ایسے نشان پڑے تھے جن سے پتا چلتا تھا کہ تابوت گھسیٹا بھی گیا ہے۔ وہیں نیلے رنگ کا ایک رومال بھی پڑا تھا۔ عنبر نے جلدی سے رومال اُٹھا لیا۔ پروفیسر دانش مند نے ہاتھ ملتے ہوئے، افسوس بھرے لہجے میں کہا:

”آخر کسی عیّار شخص نے رار قن کی لاش چُرا ہی لی۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ

کون بے وقوف ہے، اور وہ تین ہزار برس پُرانی اِس لاش کا کیا کرے گا؟ ممکن ہے وہی قالین کا سوداگر، کیا نام تھا اس کا، ہاں، یاد آیا۔۔۔۔۔ ابراہم احمد۔۔۔ جو لیبیا سے آیا تھا اور مجھ سے رالار قن کی لاش مانگتا تھا، چُرا کر لے گیا ہے۔ اب مجھے پولیس کو اِطّلاع دینی ہی ہو گی۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔۔۔ میں پولیس کو اِطّلاع دے کر مُصیبت میں پھنس جاؤں گا۔ لاش کے بولنے کی کہانی اخبار والوں تک پہنچ گئی تو میری زندگی بھر کی شہرت اور عزّت برباد ہو جائے گی۔ لوگ سمجھیں گے کہ پروفیسر دانش مند پاگل ہو گیا ہے۔ بھلا ہزاروں برس پرانی لاشیں بھی کہیں بولا کرتی ہیں۔ بولو! بتاؤ!۔۔۔۔ مجھے مشورہ دو! میں کیا کروں؟" وہ امید بھری نظروں سے عنبر اور عاقِب کو دیکھ رہا تھا۔

عنبر نے نیلا رومال پروفیسر کو دِکھاتے ہوئے کہا۔ "جناب جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں، کم از کم دو آدمی آپ کے مکان میں داخل ہوئے اور وہی رالار قن کا تابوت اُٹھا کر لے گئے ہیں۔ یہ رومال انہی میں سے کسی ایک کا ہے۔ باہر سڑک پر جا کر ہم دیکھیں تو ضرور کسی گاڑی کے نشان بھی مل

جائیں گے۔ ظاہر ہے اتنا بڑا تابوت وہ کندھوں پر لاد کر نہیں لے جا سکتے۔ اس قسم کا رومال اکثر مزدور یا قُلی اپنے پاس رکھا کرتے ہیں۔"

"ہاں۔۔۔۔ ممکن ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "مگر میں پوچھتا ہوں، نادِر خاں کہاں غائب ہو گیا! مجھے خوف ہے مجرموں نے کہیں اُس کو مار نہ ڈالا ہو۔"

"جناب، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نادِر خاں مجرموں سے ملا ہوا ہو؟" عاقِب نے کہا۔

"نہیں، نہیں۔ وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "وہ دس برس سے میرے پاس کام کر رہا ہے اور مجھے آج تک اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

انہوں نے نادِر خان کی تلاش میں مکان کا چپّا چپّا چھان مارا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اسے زمین نِگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ آخر تھک ہار کر وہ تینوں باغیچے میں نکل آئے۔ اچانک پروفیسر کی نگاہ باغیچے کی سیڑھیوں کے نزدیک پڑی

ہوئی تلوار پر گئی۔ اس نے جھپٹ کر تلوار اُٹھالی۔

”ارے! یہ یہاں کیسے آ گئی!“ پروفیسر نے تلوار کو اُلٹ پلٹ کر حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو باورچی خانے کی ایک دیوار پر، سجاوٹ کے لیے، لگائی گئی تھی۔“

پروفیسر کے چہرے پر پریشانی، بلکہ خوف کے آثار تھے۔ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: ”اب مجھے واقعی نادِر خان کی جان کے بارے میں خدشہ لاحق ہو گیا ہے۔ مجرموں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔ پولیس کو اِطّلاع دیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔“

یہ کہہ کر وہ مکان میں جانے کے ارادے سے پلٹا تاکہ پولیس کو ٹیلے فون کرے، لیکن عین اسی لمحے جھاڑیوں میں سے کسی انسان کے کراہنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ پروفیسر کے بڑھتے ہوئے قدم فوراً تھم گئے۔ عنبر اور عاقِب نے بھی آواز سُن لی تھی۔ پلک جھپکتے میں وہ تینوں جھاڑیوں کے اندر گھُس گئے۔ سب سے پہلے عنبر نے اعلان کیا:

”لیجئے جناب، نادِر خان یہاں موجود ہے۔ لیکن بے چارہ گبے ہوش پڑا ہے۔“

نادِر خاں کی بتّیسی بھنچی ہوئی تھی اور اس کے نتھنوں سے عجیب طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں، جیسے بلّی ہلکے ہلکے غرّاتی ہے۔ وہ چاروں شانے چِت گھاس پر پڑا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ سینے پر دھرے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جب وہ بے ہوش ہو کر گرا تو کسی شخص نے اسے گھسیٹ کر جھاڑیوں کے اندر ڈال دیا۔ یہی وجہ تھی کہ نسیم اور حامد اسے دیکھ نہیں پائے تھے۔

”نادِر خان! نادِر خان! ہوش میں آؤ،“ پروفیسر نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم میری آواز سُن رہے ہو؟ میں پروفیسر دانش مند ہوں۔۔۔۔ نادِر خان! نادِر خان!“

لیکن نادِر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ چند لمحوں بعد اس کی پلکیں تھرتھرائیں، پھر اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ پروفیسر دانش مند نے اُس کی کلائیاں ملتے ہوئے کہا:

”نادِر خان! میرے دوست! بولو! کیا واقعہ ہوا تھا؟“

نادِر خان نے پروفیسر کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

”بولو! نادِر خان! میں پروفیسر دانش مند ہوں۔۔۔ کیا حادثہ ہوا تمہارے ساتھ؟ را ار قن کو کون چُرا کر لے گیا؟ کیا وہی شخص آیا تھا جس کا نام ابراہیم ہے، عربی لباس پہنے ہوئے؟“

نادِر خان نے بولنے کی کوشش کرتے ہوئے بڑی مشکل سے کہا۔ ”اینوبس۔۔۔۔ گیدڑ دیوتا۔۔۔۔ اینوبس۔۔۔۔ گیدڑ دیوتا۔“ اُس کی آواز اب بھی دہشت سے کانپ رہی تھی۔

”اینوبس! گیدڑ دیوتا!“ پروفیسر دانش مند نے حیرت سے دوہرایا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو نادِر خان؟“ مگر نادِر خان نے دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ایک بار پھر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ پروفیسر نے کہا:

”لڑکو! نادِر خان کا بدن بُخار میں پھنک رہا ہے۔ اگر ہم اسے فوراً ہسپتال نہ

لے گئے تو اس کی حالت زیادہ خراب ہو سکتی ہے۔ اللہ داد سے کہو کہ وہ کار میں اسے ہسپتال چھوڑ آئے۔"

انہوں نے نادِر خان کو اُٹھا کر کار میں ڈالا۔ پروفیسر نے بتایا کہ قریب ہی اُس کے ایک ڈاکٹر دوست کا ہسپتال ہے۔ وہیں لے جانا مناسب رہے گا۔

ہسپتال میں ڈاکٹر ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اس نے اسی وقت نادِر خان کو ایک انجکشن دیا اور آرام دہ بستر پر لِٹا دیا۔ پروفیسر نے عاقِب اور عنبر کو رخصت ہونے کی اجازت دی اور کہا کہ صبح ٹیلی فون ضرور کریں تا کہ آئندہ کے لیے کوئی منصوبہ بنایا جائے۔

راستے میں عاقِب نے کہا۔ "آج عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ مجھے افسوس ہے کہ نسیم ہمارے ساتھ نہ تھا۔ ورنہ اسے بھی بڑی حیرت ہوتی۔"

"ہاں۔" عنبر نے جواب دیا لیکن مجھے تعجّب ہے کہ نسیم اس وقت کہاں ہے! وہ تو ہیڈ کوارٹر میں زیادہ دیر تک چین سے بیٹھنے والا نہیں۔ بہر حال، ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ اگر وہ ہیڈ کوارٹر میں نہیں ہو گا تو اپنے گھر چلا گیا

ہو گا یا ہمارے لیے خالہ جان کے پاس کوئی پیغام تو اُس نے ضرور چھوڑا ہو گا۔"

"وہ ہیڈ کوارٹر سے کار میں لگے ہوئے ٹیلی فون پر بھی ہم سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔" عاقِب نے کہا۔ "لیکن اس نے ایسا بھی نہیں کیا۔ کیوں اللہ داد ؟ ہماری غیر حاضری میں کوئی ٹیلی فرن تو نہیں آیا تھا؟"

"نہیں میاں، کوئی فون نہیں آیا۔" اللہ داد نے جواب دیا۔ "مجھے خود نسیم میاں کے فون کا انتظار تھا۔ ان کے بغیر دل نہیں لگتا۔ وہ باتیں ہی بڑے مزے کی کرتے ہیں۔"

انہیں ہیڈ کوارٹر پر چھوڑ کر اللہ داد رُخصت ہو گیا۔ خالہ جان نے عنبر اور عاقِب کو بتایا کہ نسیم کی سائیکل ابھی تک وہیں ہے، لیکن وہ خود بہت دیر سے غائب ہے۔ گھر کے ملازم نور الدّین نے بتایا کہ نسیم میاں تھوڑی دیر تو ہیڈ کوارٹر میں سوتے رہے پھر اچانک اٹھے، باہر آئے، سڑک پر گزرتے ہوئے ایک خالی رکشا میں سوار ہوئے اور نہ جانے کہاں چلے گئے۔ عنبر اور عاقِب کو سخت تشویش ہوئی۔ نسیم کہاں چلا گیا؟ یہی ایک سوال بار بار اُن

کے ذہنوں میں آ رہا تھا۔ مگر وہ اس کا صحیح جواب پانے سے قاصر تھے۔

کاش، انہیں معلوم ہوتا کہ نسیم اپنی حماقت کی کیسی سزا بھگت رہا ہے!!

اُن پر کیا گُزری

اُن کے اندازے کے مطابق ٹرک ڈیڑھ گھنٹے تک چلتا رہا۔ کبھی اُس کی رفتار تیز ہو جاتی، کبھی ہلکی۔ بار بار موڑ کاٹنے سے نسیم نے محسوس کیا کہ وہ کسی تنگ پہاڑی سڑک سے گزر رہے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ ٹرک کی منزل کون سی تھی۔

اس دوران میں نسیم نے اپنے چھوٹے سے ٹرانسمیٹر ریڈیو کے ذریعے عنبر اور عاقِب سے رابطہ قائم کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ شاید نسیم کا پیغام عنبر تک پہنچ نہیں رہا تھا یا اس کے ریڈیو میں کہیں خرابی

پیدا ہو گئی تھی۔ پھر یہ بھی خیال تھا کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ چھوٹا سا ریڈیو اپنی برقی لہریں ہیڈ کوارٹر تک پہنچانے کے قابل نہ ہو۔ تنگ آ کر نسیم نے اسے واپس جیب میں رکھ لیا۔ حامد بے خوفی سے تابوت کے ایک کونے میں سُکڑا بیٹھا تھا۔ اس نے اب تک کسی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا تھا۔

نسیم کے اندازے کے مطابق ٹرک نے اس مدّت میں کوئی بیس بائیس میل کا فاصلہ ضرور طے کر لیا تھا۔ نہ جانے بھی اسے کتنی دور اور جانا ہو گا۔ یکایک اس نے ایک لمبا موڑ کاٹا، اس کی رفتار سُست ہوئی۔ پھر بریک لگے، انجن سے گھوں گھوں کی زور دار آواز آنے لگی، گیئر بدلا گیا اور ایک جھٹکے سے ٹرک رُک گیا۔ پھر اُن چوروں میں سے ایک کی آواز سنائی دی:

"استاد، اب بولو، کیا کہتے ہو؟" گلّو کہہ رہا تھا۔

"کہنا کیا ہے یار، اس منحوس تابوت کو ٹرک سے اُتار کر یہیں ایک کونے میں پھینک دو۔ جب تک وہ ہمیں دُگنی اجرت نہ دے گا، ہم یہ تابوت اس کے حوالے نہ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، استاد۔ آؤ ذرا ہاتھ لگوا کر اسے اُتروا دو۔"

نسیم اور حامد نے سانس روک لیے اور مُردوں کی طرح بے جان ہو کر دُبک گئے۔ اتنے میں تابوت اُٹھا کر فرش پہ رکھا گیا۔ پھر قدموں کی آہٹ دور ہونے لگی۔ شاید وہ جا رہے تھے۔ نسیم نے گہرا سانس لیا اور تابوت کا ڈھکنا اُٹھانے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ گلّو کی آواز سنائی دی۔ وہ اُستاد سے کہہ رہا تھا:

"استاد، اُس صندوق بر بندھی ہوئی رسّیاں کھول لاؤں؟ ہمیں اُن کی ضرورت پڑے گی۔ خالی صندوق کا کیا ہے، وہ تو سٹور میں پڑا رہے گا۔ اور باہر سے دروازہ بند کر کے ہم تالا تو ڈال ہی دیتے ہیں۔"

"ہاں ہاں، رسّیاں کھول کر لے آؤ۔" اُستاد نے کہا۔

گلّو نے واپس آ کر تابوت پر بندھی ہوئی رسّی کھولی، پھر اُس نے سٹور کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد ٹرک کا انجن سٹارٹ ہوا اور چند لمحوں کے اندر ٹرک دُور چلا گیا۔ نسیم اور حامد نے جلدی سے تابوت کا ڈھکنا اُٹھایا اور

باہر نکل آئے۔ اگر تابوت پر رسّیاں بندھی رہیں تو ان کے لیے آزاد ہونا محال تھا۔

اُن کے اِرد گرد گھُپ اندھیرا تھا۔ روشنی کی کوئی کرن نہ تھی۔ آہستہ آہستہ اُن کی آنکھیں اس قابل ہوئیں کہ اندھیرے میں کچھ کچھ دیکھ سکیں۔ سٹور خاصا بڑا تھا اور اس میں بہت سا پرانا سامان بھرا ہوا تھا۔ میزیں تھیں، کرسیاں تھیں، قالین تھے، تصویریں تھیں اور نہ جانے کیا کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب سامان چوری کا ہے۔ نسیم نے گھُوم پھِر کر سٹور کا جائزہ لیا۔ آخر اُسے ایک چھوٹا سا دروازہ دکھائی دیا۔ اُس نے دروازے کا ہینڈل ٹٹول کر اُسے جھٹکا دیا۔ خوش قسمتی سے اُس کا تالا لگا ہوا نہ تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں دروازہ تھوڑا کھُل گیا۔

دروازہ کھُلتے ہی روشنی کی کرنیں اندر آ گئیں۔ یہ روشنی گلی میں جلتے ہوئے ایک برقی قمقمے کی تھی۔ نسیم اور حامد دبے پاؤں سٹور سے نکلے۔ دروازہ بند کر کے انھوں نے گلی میں قدم رکھا۔ وہاں سنّاٹا پھیلا ہوا تھا۔ نسیم نے جیب سے نیلے رنگ کا چاک نکالا اور دروازے پر بڑا سا سوالیہ نشان (؟) بنا دیا

تا کہ دوبارہ اس جگہ کو تلاش کرنے میں آسانی رہے۔

گلی میں آنے کے بعد وہ دوڑنے لگے۔ نسیم دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا، مگر وہ یہ جاننے میں ناکام رہا کہ یہ جگہ کون یا ہے۔ وہ اس سے پہلے یہاں کبھی نہیں آیا تھا۔ اکثر دکانیں بند تھیں۔ یکایک سامنے والی ایک گلی میں سے دو آدمی آگے پیچھے بھاگتے ہوئے آئے۔ قریب ہی ایک کار کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے اس کار میں بیٹھے، انجن چالو کیا اور پلک جھپکتے میں غائب ہو گئے۔ نسیم اور حامد حیرت سے ان کی کار کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اچانک پیچھے سے کسی نے چلّا کر کہا۔ "چور۔۔۔۔۔چور۔۔۔۔۔ وہ کھڑے ہیں۔۔۔ پکڑو جانے نہ پائیں۔"

نسیم نے بدحواس ہو کر حامد سے کہا۔ "بھاگو!"

اور وہ دونوں اندھا دھند بھاگنے لگے۔ نہ جانے کتنی گلیاں اور بازار نکل آئے۔ انہیں ہر لمحہ محسوس ہو رہا تھا کہ چند آدمی اُن کے پیچھے آ رہے ہیں۔ جب بھاگتے بھاگتے ان دونوں کے سانس بُری طرح پھُول گئے تو وہ ایک اندھیرے کونے میں کھڑے ہو کر ہانپنے لگے۔ حامد نے کہا:

"ہم خواہ مخواہ بھاگے۔۔۔ بھلا ہم کہیں چور تھے؟"

"وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اگر ہم وہاں سے نہ بھاگتے تو وہ لوگ ہمیں ہی چور سمجھ کر مارنا پیٹنا شروع کر دیتے۔" نسیم نے کہا۔ "ایسے موقعوں پر لوگ ہوش و حواس سے کام نہیں لیتے۔ ہم انہیں لاکھ یقین دِلاتے کہ ہم چور نہیں ہیں تب بھی کوئی ہماری بات پر کان نہ دھرتا۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ یہ تو تم نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا، ورنہ وہ لوگ مارتے مارتے ہماری ہڈّی پسلی ایک کر دیتے۔ اب بولو، کیا ارادے ہیں؟"

"ارادے کیا خاک ہوتے۔" نسیم نے جھنجھلا کر کہا۔ "نہ جانے آج صبح میں کس کا منہ دیکھ کر اُٹھا تھا کہ سارا دن اسی آفت میں گُزر گیا۔ اُدھر عنبر اور عاقِب ہلکان ہو رہے ہوں گے، پھر میں جب گھر نہ پہنچوں گا تو امّی اور ابّا جان کا فکر کے مارے بُرا حال ہو گا۔ کیا عجب کہ اب تک شہر میں میری ڈھنڈیا پڑ چکی ہو اور تھانے میں رپٹ بھی لکھوا دی گئی ہو۔"

حامد نے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید وہ نسیم کی بات پُوری طرح سمجھ نہیں سکتا

تھا۔ چند لمحے رُک کر نسیم نے پھر کہنا شروع کیا۔ ''اس بھاگ دوڑ میں یہ بھی پتا نہیں چل سکا کہ سٹور جس گلی میں ہے، اس کا نام کیا ہے۔ گلی کا نام تو ایک طرف، ہم بے وقوفوں کو ابھی نہیں معلوم کہ ہم ہیں کس جگہ؟''

''چلو، کہیں سے ٹیکسی پکڑیں اور۔۔۔''

''کیا اچھا مشورہ دیا ہے تم نے؟'' نسیم نے بھنّا کر کہا۔ ''میری جیب میں اِس وقت پھوٹی کوڑی تک نہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ چلو کہیں سے ٹیکسی لے کر گھر پہنچ جائیں۔ گھر خُدا معلوم کہاں ہے۔ بیس میل پر یا پچاس میل پر۔''

''غم کیوں کرتے ہو۔ میرے پاس کتنے روپے ہیں۔'' حامد نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالتے ہوئے کہا۔ نسیم کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ حامد نے ہتھیلی میں ہاتھ ڈالا اور سو سو کے نئے نوٹ نکال کر نسیم کی آنکھوں کے سامنے نچائے۔

''یہ تمہارے پاس کہاں سے آئے؟'' اس نے حامد سے پوچھا۔

”جب ہم لیبیا سے یہاں آنے لگے تو میرے باپ نے مجھے کئی ہزار روپیہ دیا تھا۔ اس میں سے یہ چند نوٹ میں نے اس بٹوے میں رکھ لیے تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں گے۔“

”بھئی، تم بھی بڑے پہنچے ہوئے آدمی ہو۔“ نسیم نے ہنس کر کہا۔ ”آؤ، اب کام اللہ کے فضل سے بن ہی گیا۔“

انہیں ٹیکسی کی تلاش میں زیادہ دور نہ جانا پڑا۔ کوئی آدھ فرلانگ دُور شہر کا چوک تھا۔ اگرچہ رات خاصی بیت گئی تھی لیکن چوک میں ابھی تک بڑی رونق تھی۔ لوگ چھوٹے چھوٹے چائے خانوں میں بیٹھے تھے اور فلمی گانوں کے ریکارڈوں کی آواز دُور دُور تک گونج رہی تھی۔ نسیم اور حامد نے پہلے ایک ہوٹل میں جا کر کھانا کھایا، چائے پی۔ اس کے بعد ٹیکسی سٹینڈ کی طرف چلے۔ انہیں اب اس چھوٹے سے شہر کا نام معلوم ہو گیا تھا۔ شریف نگر، جو شاداب نگر سے صرف بیالیس میل کے فاصلے پر تھا۔

نسیم نے ایک ٹیکسی والے سے بات کی کہ شاداب نگر چلو گے؟ وہ بے چارہ اُونگھ رہا تھا۔ اس نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا اور جمائی لے کر بولا:

”شاداب نگر لے تو چلوں گا لیکن وہاں تک جانے کا کرایہ بھی ہے جیب میں؟“

نسیم نے سو کا کھڑکھڑاتا ہوا نوٹ اُسے دکھایا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے جھٹ دروازہ کھول دیا اور کچھ کہے بغیر پوری رفتار سے گاڑی شاداب نگر کو جانے والی سڑک پر دوڑادی۔

راستے میں حامد نے نسیم سے کہا۔ ”خدا کی قسم، میں تُم سے مِل کر بہت خوش ہوا ہوں۔ یقیناً تمہارے وہ دونوں ساتھی عنبر اور عاقِب بھی تم جیسے ہی ہوں گے۔ میری خواہش ہے کہ تم لوگ میری مدد کرو اور کسی نہ کسی طرح راارقن کی ممّی مجھے دِلوادو۔ اس کام کے لیے جتنا روپیہ کہو گے میں ادا کر دوں گا۔“

نسیم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے، لیکن بات یہ ہے کہ راارقن کی ممّی پروفیسر دانش مند کی ملکیت ہے اور ہم پہلے ہی اُن کے لیے کام کر رہے ہیں۔“

”ہاں ہاں میں جانتا ہوں۔“ حامد نے جلدی سے کہا۔ ”میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ رالارقن کی ممّی کو تلاش کر کے پروفیسر دانش مند کے حوالے کرو۔ اس کے بعد پروفیسر کو اس بات پر کسی نہ کسی طرح راضی کرلو کہ وہ رالارقن کو ہمارے حوالے کردے۔“

”یہ بات معقول ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن میں اس وقت تم سے کوئی پُختہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ اپنے دونوں ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گا۔ اگر تم کل ساڑھے دس بجے صبح ہمارے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ جاؤ تو اچھا ہے۔ وہیں تمہاری ملاقات عنبر اور عاقِب سے ہو جائے گی۔“

سفر کا باقی حصّہ ان دونوں نے خاموشی سے گزارا۔ شاداب نگر پہنچ کر حامد نے نسیم سے کہا:

”میں تمہیں تمہارے گھر اُتار کر واپس اسی سڑک پر جاؤں گا جہاں پروفیسر دانش مند کا مکان ہے، ہم نے وہی ایک چھوٹا سا بنگلا کرائے پر لے رکھا ہے۔“

”تمہارا بہت بہت شکریہ۔“ نسیم نے کہا۔

جب نسیم اپنے گھر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ امی اور ابّا جان ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹی وی پر کوئی دلچسپ پروگرام رکھنے میں مصروف ہیں۔ نسیم کو کچھ اطمینان ہوا کہ اب زیادہ پوچھ گچھ کا امکان نہیں ہے۔ ابّا جان نے اُسے دیکھ کر واقعی کچھ نہ کہا۔ البتّہ امّی ناراض ہو کر کہنے لگیں:

”یہ تم اتنی دیر سے کہاں غائب تھے؟ عنبر اور عاقِب فون کر کر کے تھک گئے۔ تم اپنے دوستوں کو بھی بتا کر نہیں جاتے کہ کہاں جا رہے ہو؟“ ”امّی جان، وہ بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں انہیں اِطّلاع نہ دے سکا۔ ابھی فون کرتا ہوں۔“

”اور یہ تمہارا حُلیہ کیسا بنا ہوا ہے؟“ امّی نے نسیم کو اُوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ ”سارے کپڑے مٹّی میں اٹے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہیں سے سفر کر کے آ رہے ہو۔“

نسیم نے کوئی جواب نہ دیا اور ہنستا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا، جہاں ٹیلے

فون رکھا تھا۔ اس نے ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کیے۔ گھنٹی بجتے ہی دوسری طرف سے عنبر نے ریسیور اُٹھایا۔ ہیلو! تین ننّھے سُراغ رسانوں کا ہیڈ کوارٹر۔۔۔۔ سراغ رساں نمبر ایک بول رہا ہے۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔" نسیم نے گرج دار آواز بنا کر قہقہہ لگایا۔ سُنو سُراغ رساں نمبر ایک کے بچّے۔۔۔۔۔ میں را ارقن بول رہا ہوں۔۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔۔ میں نے تمہارے سُراغ رساں نمبر دو کی ہڈّیاں چبا ڈالی ہیں۔ اب تمہاری باری ہے۔۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔" عنبر نے جواب دیا۔ "اگر تم اسی طرح مَن مانی کرتے رہے تو میں تمہیں سُراغ رساں نمبر دو کے عہدے سے برطرف کر دوں گا، مسٹر نسیم۔ تمہیں ہماری پریشانی کا بھی کوئی احساس نہیں۔ آخر تم کہاں چلے گئے گئے تھے؟ نہ کوئی پیغام نہ کوئی ٹیلے فون، اور نہ تم نے اپنا وائرلیس استعمال کیا۔ آخر تم پر بیتی کیا؟"

"اُفّوہ! یار، میں اس لیے تم سے بات کرتے ہوئے گھبراتا ہوں۔۔۔۔" نسیم نے کہا۔ "ابھی موت کے منہ سے بال بال بچ کر نکلا ہوں، اور تم نے بجائے

اس کے کہ میری خیر و عافیت دریافت کرو، اُلٹا غصّہ جھاڑنا شروع کر دیا۔۔۔۔ واہ صاحب واہ! میں صبح دس بجے تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔ پھر ساری داستان امیر حمزہ سُناؤں گا۔ خدا حافظ۔ اور ہاں۔۔۔۔ ذرا تکلیف تو ہو گی۔ اس عاقِب کے بچّے کو بھی ٹیلی فون کر کے اِطّلاع دے دو کہ میں خیریت سے گھر لوٹ آیا ہوں۔"

"اچھا۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔" عنبر نے دانت پیس کر کہا اور فون بند کر دیا۔

اگلے روز صبح ہیڈ کوارٹر میں ہنگامی میٹنگ ہو رہی تھی۔ نسیم دس بجے کے بجائے نو بجے ہی پہنچ گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حامد کے آنے سے پہلے پہلے جو کچھ بیتی ہے، وہ اپنے ساتھیوں کو بتا دے۔ اس نے شروع سے آخر تک تمام داستان عنبر اور عاقِب کو سُنا دی۔ وہ دونوں خاموشی اور غور سے سُنتے رہے۔ کبھی کبھی عاقِب کوئی اہم بات اپنی ڈائری میں نوٹ بھی کر لیتا تھا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے حامد بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔ نسیم نے عنبر اور عاقِب سے اُس کا تعارف کرایا۔ حامد نے بھی تمام واقعات بیان کیے کہ کس طرح وہ اور ابراہیم لیبیا رارقن کی لاش لینے آئے، پروفیسر دانش مند

نے لاش دینے سے کیوں انکار کیا وغیرہ وغیرہ۔ عنبر نے نچلا ہونٹ نوچتے ہوئے کہا:

"حامد بھائی، ہمیں تم سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ لیکن جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، رارقن کے بارے میں تمھیں غلط بتایا گیا ہے کہ وہ تمھارے دادا کے دادا کے دادا کا دادا تھا۔ میں فی الحال پوری تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ تمھیں عن قریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اچھا، یہ بتاؤ کہ تم نے پچھلی رات پیش آنے والے واقعات ابراہیم کو بتا دیئے ہیں؟"

حامد انتہائی حیرت سے عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے انکار میں گردن ہلائی اور کہا:

"ابراہیم مجھے بچّہ سمجھتا ہے اور میری باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔ میں نے ابھی اسے کچھ نہیں بتایا کہ پچھلی رات ہمارے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ حقیقت میں وہ بڑا چالاک آدمی ہے۔ اب میں آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ اسی نے نہ معلوم کس طرح گیدڑ دیوتا کا مجسّمہ گرایا تھا اور پھر اس اُونچی

چٹان سے کئی من وزنی پتھّر آپ لوگوں پر لڑھکانا بھی اُسی کا کام تھا۔ وہ دراصل پروفیسر دانش مند پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ یہ عجیب و غریب حادثے راار قن کی ناراضی اور غصّے کے باعث ہو رہے ہیں۔ اُس کا خیال تھا کہ اس طرح پروفیسر خوف زدہ ہو کر راار قن کی ممّی اُس کے حوالے کر دے گا۔"

"ہاں، مجھے بھی اندازہ تھا کہ ان وارداتوں کے پیچھے ابراہیم ہی کا ہاتھ ہے۔" عنبر نے کہا۔ "مگر سوال یہ ہے کہ راار قن کی ممّی چُرا کر لے جانے والے کون ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ ابراہیم نے انہیں اس کام پر آمادہ کیا ہو؟"

"نہیں۔" حامد نے جلدی سے کہا۔ "یہ بات میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ممّی کی چوری میں ابراہیم کا ہاتھ نہیں ہے۔ وہ کوئی اور ہی شخص ہے جس نے اِن دو چوروں کو روپے کا لالچ دے کر پروفیسر کے گھر سے راار قن کو اُٹھایا ہے۔ ان چوروں میں سے ایک کا نام گُلّو ہے اور دوسرے کا اُستاد۔ نسیم نے آپ کو سارا واقعہ سُنا ہی دیا ہو گا۔"

”بے شک۔ ہمیں اب شریف آباد پہنچ کر سٹور کا سُراغ لگانا ہو گا جس کے دروازے پر نسیم نے نیلے چاک سے سوالیہ نشان بنایا ہے۔ میرا خیال ہے آج رات گُلّو اور اُستاد راار قن کا تابوت وہاں سے نکال کر اُس پُراسرار خریدار کے پاس لے جائیں گے۔ وہ خریدار جِس کے قبضے میں راار قن کی ممّی پہلے سے موجود ہے۔ اگر ہم گُلّو اور اُستاد کا پیچھا کریں تو اس پُراسرار خریدار تک پہنچ سکتے ہیں۔ پھر سارا معمّا حل ہو جائے گا۔ مجرم پکڑا جائے گا اور راار قن کی ممّی اپنے تابوت سمیت جس کی ہے، اس کے پاس پہنچ جائے گی۔“

”لیکن۔۔۔۔ آپ لوگ اتنے بڑے شہر شریف آباد میں جہاں بے شمار گلیاں، بازار، کھلے اور کوچے ہیں، کس طرح وہ سٹور تلاش کریں گے؟“ حامد نے پوچھا۔

”ہاں، یہ معاملہ بھی ٹیڑھا ہے۔“عنبر نے جواب دیا۔”بہر حال، کوشش کرنا ہمارا کام ہے۔ خدا نے چاہا تو اس کا پتا بھی چل ہی جائے گا۔“ یہ کہہ کر اس نے ٹیلے فون کا رسیور اُٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کیا اور جب دوسری جانب

سے کسی نے جواب دیا تو عنبر نے کہا:

"سلیم احمد؛ میں عنبر بول رہا ہوں، شاداب نگر سے۔۔۔۔ہاں ہاں۔۔۔۔۔ ایک کام آن پڑا ہے تم سے۔۔۔۔۔شریف آباد میں جتنے بھی تمہارے یار دوست ہیں، ان سب کو فون کر کے کہو کہ وہ شہر میں پھیل جائیں اور جہاں بھی انہیں نیلے چاک سے ایک بڑا سوالیہ نشان بنا ہوا دکھائی دے، فوراً اس جگہ کا نام اور پتا نوٹ کر کے تمہیں اِطّلاع دیں۔ تم مجھے یہاں شاداب نگر میں فون کر دینا۔ ایک بہت ضروری معاملہ در پیش ہے۔ اس لیے تمہیں زحمت دے رہا ہوں۔ بہت بہت شکریہ۔ بس میں تو تمہارے ٹیلی فون کا انتظار کروں گا۔ باقی باتیں وہیں شریف آباد پہنچ کر ہوں گی۔ خدا حافظ۔"
یہ کہہ کر عنبر نے فون بند کر دیا۔

"اچھا، دوستو، اب میں اجازت چاہتا ہوں۔" حامد نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "خدا کرے آپ رالارقن کو چُرانے والے کا سُراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں۔ میں آج دن میں کسی وقت آپ کو ٹیلی فون کروں گا۔"

"بہت بہتر۔" ان تینوں نے کھڑے ہو کر حامد سے باری باری ہاتھ ملایا۔

عنبر نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس ملاقات کا ذکر فی الحال ابراہیم سے نہ کرنا، ورنہ حالات اور پیچیدہ ہو جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔“ حامد نے کہا۔ عاقِب اسے رخصت کرنے کے لیے ہیڈ کوارٹر سے باہر تک گیا۔ عنبر نے دوبارہ ٹیلی فون پر پروفیسر دانش مند کے گھر نمبر گھُمایا اور اس کے ساتھ ہی لاؤڈ سپیکر کا بٹن دبا دیا جو بات چیت ہو، وہ نسیم بھی سُن سکے۔ پروفیسر دانش مند نے فون پر بتایا کہ نادِر خان اب ہسپتال سے گھر واپس آ چکا ہے اور اس کی حالت بہتر ہے۔ اس کا بیان ہے کہ باغیچے کی جھاڑیوں میں سے ایک انسانی جسم نمودار ہوا جس کا چہرہ گیدڑ کا سا تھا۔ اسے دیکھ کر مارے خوف کے وہ بے ہوش ہو کر ِگر پڑا۔ اس کا کہنا ہے کہ گیدڑ دیوتا یا اینوبس ہی رااِرقن کی لاش اُٹھا کر لے گیا ہے۔ عنبر نے تب پروفیسر کو پچھلی رات کے وہ تمام واقعات سنائے جو نسیم اور حامد پر بیت چُکے تھے۔ پروفیسر نے بڑی حیرت کا اظہار کیا اور عنبر سے پوچھا:

"کیا تم رَاارقن کو لے جانے والے چوروں کا سُراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہو؟ کیا تمھاری رائے میں یہ سارا تماشا ابراہیم ہی نے کیا ہے؟ وہی یہ حرکتیں کر رہا ہے؟ مجھے اس پر ابھی شک ہے، یقین نہیں۔" عنبر نے جواب دیا۔ "ویسے اُمّید ہے کہ آج شام ہم شریف آباد پہنچ کر رَاارقن کی ممّی، تابوت اور چور تینوں کو تلاش کرنے میں کام یاب ہو جائیں گے۔ آپ اطمینان رکھیۓ جُوں ہی کوئی نئی بات معلوم ہوئی، میں آپ کو ٹیلے فون کروں گا۔" فون بند کر کے عنبر کسی گہری سوچ میں گُم ہو گیا۔ اتنے میں عاقِب حامد کو ایک ٹیکسی میں سوار کرانے کے بعد واپس آیا۔ عنبر نے نسیم اور عاقِب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کو یاد ہو گا کہ پروفیسر دانش مند کی ملازمت اختیار کرنے سے پہلے نادِر خان سٹیج ایکٹر تھا۔ مجھے ابتدا ہی سے شبہہ تھا کہ وہ ڈرنے، بے ہوش ہونے کی اداکاری کر رہا ہے۔ ممکن ہے ابراہیم نے نادِر خان کو روپے کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور رَاارقن کی لاش جو پیغام دیتی رہی ہے، اس میں بھی نادِر خان ہی کا ہاتھ ہو۔"

"خُدا کی پناہ!" نسیم نے آنکھیں نکال کر کہا۔ "مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نادِر خان، ابراہیم کے بجائے کسی اور شخص کے لیے کام کر رہا ہو۔ دوسری طرف یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ آخر ابراہیم کو یہ ڈراما رچانے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"اس لیے کہ حامد کا باپ بے حد دولت مند آدمی ہے اور ابراہیم اس کا مینجر ہے۔ میرا خیال ہے ابراہیم ہی نے کسی طرح چالاکی سے حامد کے باپ کو یہ یقین دِلایا ہے کہ راارقن اُن کے آباؤاجداد میں سے ہے۔ یہ سُن کر حامد کا باپ راارقن کی لاش ہر قیمت پر حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے بہت سا روپیہ دے کر ابراہیم اور اپنے بیٹے حامد کو یہاں روانہ کیا۔ یہاں آکر ابراہیم نے سوچا کہ اگر وہ کسی ترکیب سے راارقن کی لاش پروفیسر دانش مند کے گھر سے اُڑا لے اور بعد میں حامد کے باپ سے کہے کہ جناب، راارقن کی لاش ایک مجرم کے قبضے میں ہے اور وہ اسے واپس کرنے کے دس لاکھ روپے مانگتا ہے تو حامد کا باپ فوراً یہ رقم ابراہیم کے حوالے کر دے گا اور یوں ابراہیم کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر

کڑاہی میں ہو گا۔ سمجھے؟"

نسیم اور عاقِب کے منہ حیرت سے کھُلے کے کھُلے رہ گئے۔

مجرم کون؟

اسی روز شام کے چار بجے تک عنبر کے پاس شریف آباد سے تمام اِطلّاعات پہنچ چکی تھیں۔ وہ دروازہ تلاش کر لیا گیا تھا جس پر نیلے چاک سے نسیم نے سوالیہ نشان بنایا تھا۔ عنبر نے اسی وقت پروفیسر دانش مند کو فون کیا اور کہا:

"جناب، اگر آپ اپنی زندگی کا سب سے دل چسپ تماشا دیکھنے کے خواہش مند ہوں تو فوراً چلے آیئے۔ ہم مجرم کو پکڑنے کے لیے شریف آباد جا رہے ہیں۔"

”میں ابھی آتا ہوں۔“ پروفیسر نے خوشی سے پاگل ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیا اُس کا سُراغ مل گیا ہے؟“

”جی ہاں۔ میں نے اب ایک اور اندازہ لگایا ہے۔ اور میرے اندازے کے مطابق وہ شخص اس تمام کارروائی کے پیچھے ہے جس کے بارے میں آپ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ مجرم ہو گا۔“عنبر نے جواب دیا۔

”اچھا!“ پروفیسر نے حیرت سے کہا۔ ”کہیں تم لوگ نادِر خان کو تو مجرم نہیں سمجھ رہے ہو؟“

”جناب، فی الحال میں کچھ عرض نہیں کر سکوں گا۔ یہ بات تو آپ کو موقع پر چل کر ہی معلوم ہو گی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں پہنچ رہا ہوں۔ تم اپنا پتا بتاؤ۔“

عنبر نے اسے ہیڈ کوارٹر کا پتا سمجھایا اور آدھے گھنٹے بعد پروفیسر دانش مند وہاں پہنچ چکا تھا۔

انہیں شریف آباد پہنچتے پہنچتے خاصی دیر ہو گئی۔ پھر وہ عمارت تلاش کرنے میں بھی کچھ وقت لگا جہاں ان بدمعاش نے راارقن کا تابوت لے جا کر چھپایا تھا۔ یہ ایک دو منزلہ عمارت تھی۔ نچلی منزل میں وہ اسٹور تھا اور اس کے چھوٹے دروازے کے باہر نسیم نے چاک سے سوالیہ نشان بنایا تھا۔ انہوں نے کار اس عمارت سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر ایک گلی میں کھڑی کر دی۔ یہاں سے انہیں وہ اسٹور اور اس کا بڑا دروازہ آسانی سے دکھائی دے رہا تھا۔ انہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک بھاری ٹرک بڑی سڑک پر آہستہ آہستہ چلتا ہوا آیا اور گلی کے آگے سے گزر کر اسٹور کے سامنے رُک گیا۔ پھر اس میں سے دو آدمی باہر نکلے۔ انہوں نے اسٹور کا دروازہ کھولا اور اس کے اندر چلے گئے۔ ”آؤ دیکھیں، یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔“ پروفیسر دانش مند نے کہا۔ ”ایسا نہ ہو کہ یہ بدمعاش راارقن کا تابوت لے کر پھر کہیں نکل جائیں اور ہمارے ہاتھ سوائے افسوس اور پریشانی کے کچھ وہ آئے؟“

”نہیں، نہیں۔ آپ اطمینان سے یہیں کار میں بیٹھے رہیے۔“عنبر نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔ ”تماشا تو اب شروع ہوا ہے۔ ذرا صبر سے دیکھتے جائیے۔“

ابھی اس نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ ایک ٹیکسی نمودار ہوئی اور اُن کے سامنے سے گُزر کر ٹرک کے قریب کھڑی ہو گئی۔ ٹیکسی کا دروازہ کھلا اور ایک سفید بالوں والا بوڑھا شخص باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور اسٹور کے کھلے دروازے کی جانب چلنے لگا۔

جب وہ نظروں سے اُوجھل ہو گیا تو عنبر نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”آیئے، اب دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے۔ ذرا دبے پاؤں آیئے۔“

اللہ داد کو وہیں چھوڑ کر وہ سب کے سب خاموشی سے اسٹور کے دروازے کے نزدیک آ گئے۔ بوڑھے آدمی کے اندر جاتے ہی استاد اور گلّو نے دروازہ بند کر لیا تھا۔ نسیم کو انہیں پہچاننے میں بالکل دقّت نہ ہوئی۔ یہ وہی دونوں آدمی تھے۔

انہوں نے دروازے کی درزوں میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ تینوں را ار قن کے تابوت کے قریب کھڑے تھے، اُستاد اور کلّو سامنے کے رُخ تھے جب کہ بوڑھے کی صرف پُشت دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے سُنا، استاد کہہ رہا تھا:

"دیکھیے جناب، اس کام میں ہم نے بڑی محنت کی ہے اور اپنی جانیں خطرے میں ڈالی ہیں۔ اس کا معاوضہ دو ہزار روپے سے ایک دھیلا کم نہ ہو گا۔"

"دو ہزار روپے؟" بوڑھے نے اُونچی آواز میں کہا۔ "ایک ہزار روپیہ تم پہلے ہی مجھ سے وصول کر چکے ہو اور اب دو ہزار اور مانگتے ہو؟ میں زیادہ سے زیادہ دو سو روپے تمہیں دے سکتا ہوں۔"

اُستاد اور کُلّو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ اشارے ہوئے، پھر یکایک اُستاد نے اپنی شلوار کے نیفے میں سے چاقو نکال لیا اور قہقہہ لگا کر بولا:

"ہم تمہیں یہیں قتل کر دیں گے۔ سیدھے ہاتھ سے دو ہزار روپے کی رقم ہمارے حوالے کر دو، ورنہ۔۔۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے گُلّو کو اشارہ کیا۔ گُلّو نے لپک کر بوڑھے کو بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اُستاد آگے بڑھا اور بوڑھے کی جیبوں تلاشی لینے لگا۔

"دیکھو! میں تمہیں خبر دار کرتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔

عین اسی لمحے عنبر نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔ اُستاد نے جھٹ چاقو ایک طرف پھینک دیا اور گُلّو بوڑھے کو چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔

"کون ہے؟" اُستاد نے پوچھا۔

"اُستاد، دروازہ کھولو۔ پولیس آ رہی ہے۔" نسیم نے ایسی گھبراہٹ اور بد حواسی کی اداکاری کرتے ہوئے آواز لگائی کہ اُن کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔ وہ سمجھے کہ انہی کا کوئی ساتھی ہو گا۔ جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ۔ کھلتے ہی یہ سب کے سب اندر گھُس گئے۔ پروفیسر دانش مند کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے کہا:

”تینوں اپنی جگہ کھڑے رہو۔ خبردار! کوئی شخص حرکت نہ کرے، ورنہ گولی مار دوں گا۔“

”ہاتھ اوپر۔۔۔۔ کرو۔۔۔۔۔ فوراً۔۔۔“نسیم نے ڈپٹ کر کہا اور ان تینوں نے ہاتھ اٹھا دیے۔ پروفیسر دانش مند نے بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تو یہ تم ہو جو رارقن کی لاش اور اُس کا تابوت اِن چوروں کے ذریعے میرے مکان سے نکلوانے میں کام یاب ہوئے۔ سچ سچ بتاؤ، اس حرکت سے تمہارا کیا مقصد تھا اور تم کون ہو؟“

بوڑھے نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بُری طرح کانپ رہا تھا۔ عنبر نے ہنس کر کہا۔ ”ہاں ہاں، بتائیے جناب۔ آپ کون ہیں؟ اگر آپ نہیں بتائیں گے تو پھر مجبور ہو کر مجھے یہ ناگوار فرض انجام دینا ہو گا۔“ یہ کہتے ہی عنبر آگے بڑھا اور اس نے بوڑھے کے سر پر سے سفید بالوں کی وِگ اُتار لی۔ پھر اُس کی مصنوعی مونچھوں پر ہاتھ ڈالا۔ پلک جھپکتے میں مونچھیں بھی عنبر کے ہاتھ میں تھیں۔

”خدا کی پناہ!۔۔۔۔ یہ تم ہو! پروفیسر آزاد۔“ دانش مند کر اپنی آنکھوں

پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ واقعی ان کے سامنے پروفیسر آزاد شرم سے گردن جھکائے کھڑا تھا۔

"جی ہاں۔۔۔۔۔ یہ آپ کے دوست پروفیسر آزاد ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "را ار قن کو غائب کرنے میں انہی حضرت کا ہاتھ تھا۔"

"۔۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔ کیوں؟" دانش مند کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ یکایک اُستاد اور گُلّو اُسے غافل پا کر ایک دم بھاگ نکلے۔ دروازہ پہلے ہی کھُلا تھا۔

"پکڑو انہیں!" پروفیسر چلّایا۔

"جانے دیجیے۔ پولیس انہیں خود پکڑ لے گی۔" عنبر نے اطمینان سے کہا۔ "اصل مجرم تو ہمارے قبضے میں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب پروفیسر آزار اپنی زبان ہی سے ساری کہانی کہہ ڈالیں تا کہ یہ معمّا حل ہو جائے۔"

"میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، پروفیسر دانش مند۔" آزاد نے کہا۔ "نہ جانے کیوں میری عقل پر پردہ پڑ گیا اور میں لالچ میں پڑ کر یہ جُرم کر بیٹھا۔

خدا کے واسطے مجھے پولیس کے حوالے نہ کرنا، میں سب کچھ سچ سچ بتائے دیتا ہوں۔"

"میں تم سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔" دانش مند نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم نے انتہائی گھناؤنا اور نا قابلِ معافی جُرم کیا ہے۔ بہر حال، تم مجھے پہلے تمام واقعات بتاؤ۔ پھر میں غور کروں گا کہ معافی کی گنجائش کہاں تک ہے۔"

"ٹھیک ہے، پروفیسر۔ میں خود کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔" آزاد نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ لوگ یقین کریں گے کہ میں پچھلے بیس برسوں سے رارقن کی ممّی اور اس کا تابوت حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر رہا تھا؟ پچیس برس ایک مدّت ہوتی ہے اور میں اس زمانے میں ایک نادان بچّہ تھا، جب رارقن کی ممّی دریافت کی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے رارقن کی لاش کے بجائے اس کے تابوت کی ضرورت تھی۔ اب آپ پوچھیں گے کہ کیوں؟ اس کا جواب ابھی دیتا ہوں۔"

پروفیسر آزاد نے ایک گوشے میں پڑے ہوئے تابوت کا ڈھکنا اُتار کر ایک

طرف رکھا۔ پھر تابوت میں ہاتھ ڈالا۔ کھٹاک کی آواز کے ساتھ تابوت دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کے نچلے حصّے میں ایک خفیہ دراز بنی ہوئی تھی۔ اس میں سے پروفیسر نے ہاتھی دانت کا بنا ہوا نہایت نفیس، چھوٹا سا ڈبّا نکال کر سب کو دکھایا۔

"اس میں کیا ہے؟ فوراً کھولو اسے؟" دانش مند نے کہا۔

"آپ خود کھول کر دیکھ لیجیے۔" آزاد نے وہ ڈبّا اُس کی طرف بڑھا دیا۔ دانش مند نے عنبر کو دیا۔ اس نے جوں ہی اُسے کھولا، حیرت اور خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی۔ ڈبّے ہیں دنیا کے انتہائی بیش قیمت ہیرے بھرے ہوئے تھے۔ ایسے ہیرے جن کی مالیت لاکھوں نہیں، کروڑوں روپے تک تھی۔ سب کی آنکھیں اُن ہیروں پر جمی ہوئی تھیں جو اسٹور کی نیم تاریکی میں ستاروں کی طرح کرنیں بکھیر رہے تھے۔

پروفیسر آزار نے کہنا شروع کیا۔ "محض اِن ہیروں کی وجہ سے میرے والد کو قاہرہ میں قتل کیا گیا تھا۔ رارقن کی ممّی دریافت کرنے کی مہم میں وہ آپ کے ساتھ تھے اور انہی کو اتّفاقیہ طور پر پتا چلا تھا کہ تابوت کے اندر

ایک خفیہ دراز ہے، اس میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا ایک ڈبّا چھپا ہے اور ڈبّے کے اندر ہیرے ہیں۔ والد نے اس میں سے چند ہیرے نکال لیے تھے۔ لیکن کسی نامعلوم سبب سے یہ ڈبّا تابوت سے نکالنے کا انہیں دوبارہ موقع نہیں مل سکا۔ انہیں یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ کچھ اور لوگوں کو بھی ان ہیروں کے بارے میں پتا چل گیا ہے جو میرے والد کے قبضے میں تھے۔ والد نے اپنے سر پر منڈلاتا ہوا خطرہ بھانپ لیا تھا۔ چناں چہ انہوں نے ایک خط میں یہ تمام تفصیل لکھ کر مجھے روانہ کر دی۔ میں اُن دنوں اسکول میں پڑھتا تھا۔ یہ خط ملنے کے فوراً بعد میرے والد قتل کر دیے گئے اور وہ تین چار ہیرے جو ڈبّے سے انہوں نے نکالے تھے، قاتلوں کے قبضے میں چلے گئے۔ میں نے جبھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کروں گا اور کسی نہ کسی طرح وہ ڈبّا اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کروں گا۔ میں نے اسی زمانے میں طے کر لیا تھا کہ دنیا کی قدیم ترین زبانیں سیکھوں گا اور رار قن کی ممّی قاہرہ کے عجائب گھر سے نکلوا کر حاصل کروں گا۔ یہ ممّی بعد میں پروفیسر دانش مند نے عجائب گھر میں رکھوا دی تھی جو پچیس برس تک وہیں رہی

اور آج سے چھ ماہ پہلے مجھے علم ہوا کہ وہ قاہرہ سے یہاں آپ کے مکان پر بھیجی جانے والی ہے۔ تب میں نے ایک منصوبہ بنایا۔

میں نے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدا اور سیدھا قاہرہ پہنچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ میں قاہرہ ہی میں کسی تدبیر سے را ارقن کے تابوت پر قبضہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اچانک میری ملاقات لیبیا کے ایک مال دار سوداگر سے ہوئی۔ میں اس وقت ایک نجومی کے بھیس میں تھا اور چوں کہ عربی زبان اچھی طرح بولنا سیکھ گیا تھا، میں نے سوداگر سے عربی زبان میں بات کی اور اسے بتایا کہ آج سے تین ہزار برس پہلے اس کے دادا کے دارا کے دادا کے دادا کے دادا کا دادا لیبیا کے صحرا سے نکل کر مصر میں آیا تھا اور یہاں اس نے اپنی بادشاہت قائم کر لی تھی۔ اس کا نام را ارقن تھا۔ لیکن کسی دُشمن نے اُس کا کام تمام کر دیا اور اب تین ہزار برس بعد ایک شخص نے اس کی لاش دریافت کر لی ہے جو آج کل قاہرہ کے عجائب خانے میں رکھی ہے۔ لیکن بہت جلد اُسے یہاں سے ایک اور ملک کو روانہ کیا جائے گا۔ اور اب یہ اس کا فرض ہے کہ را ارقن کی لاش غیروں کے قبضے میں نہ جانے

دے۔

لیبیا کے تاجر کو میری باتوں پر یقین آ گیا۔ اس دوران میں را ار قن کا تابوت قاہرہ کے عجائب خانے سے پروفیسر دانش مند کے مکان پر بھیجا جا چکا تھا۔ چناں چہ لیبیا کے سوداگر نے اپنے بیٹے حامد اور ایک ملازم ابراہیم کو اس مقصد کے روانہ کیا کہ وہ را ار قن کی لاش ہر قیمت پر واپس لائیں خواہ انہیں لاش چوری ہی کرنی پڑے۔

اس کے ساتھ ہی میں بھی مصر سے اپنے ملک واپس چلا آیا اور را ار قن کی لاش حاصل کرنے کی تدبیروں میں گُم ہو گیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ لاش چوری ہونے کے بعد اگر پولیس نے تحقیقات کی تو لیبیا کے سوداگر کا بیٹا اور اس کا ملازم ہی اس الزام میں گرفتار ہوں گے اور میری طرف کسی کا دھیان بھی نہ جائے گا۔"

"بہت خوب! بہت خوب!" دانش مند نے کہا۔ "آگے سناؤ۔"

"وہی سُنا رہا ہوں۔" پروفیسر آزاد نے جواب دیا۔ "آپ کے مکان سے را

ارقن کا تابوت چُرانا میرے لیے دشوار ثابت ہوا۔ آپ اور آپ کا نوکر ہر وقت اُس کی نگرانی کرتے تھے۔ تب میں نے ایک سائنسی ذریعے سے ایسا انتظام کیا کہ آپ کو خوف زدہ کروں۔ آپ یہ سمجھیں کہ راارقن کی لاش کسی پُراسرار زبان میں کوئی پیغام دے رہی ہے۔ یہ پیغام شروع ہوئے۔ میرا خیال تھا کہ آپ یہ پیغام سمجھنے کے لیے میرے پاس آئیں گے اور میں اسی بہانے تابوت اپنے مکان میں لاکر ہیروں کا ڈبّا نکال لوں گا۔ لیکن آپ اس بات پر رضامند نہ ہوئے۔ آپ کو یاد ہو گا، جب پہلی بار آپ نے مجھے اپنے مکان میں بلایا تھا تو آپ آری کے ذریعے تابوت کا ایک کنارہ کاٹنا چاہتے تھے اور میں نے یہ کہہ کر آپ کو روکا تھا کہ تابوت کٹنے سے اِتنی قیمتی چیز تباہ ہو جائے گی۔ دراصل مجھے ڈر تھا کہ کہیں آپ ہیروں کا وہ ڈبّا دریافت نہ کرلیں جس کے اندر ہیرے چھُپے ہوئے تھے۔ قصّہ مختصر، میں نے دو چوروں کو روپے کا لالچ دے کر اِس بات پر تیّار کر لیا کہ راارقن کا تابوت لاش سمیت لاکر مجھے دے دیں گے۔ چوروں نے یہ کام کر دیا۔ وہ عین اسی وقت راارقن کی لاش لے کر آئے جب آپ اور یہ دونوں لڑکے

میرے مکان پر ٹیپ ریکارڈر لے کر آئے تھے۔"

"جی ہاں۔" عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب گھنٹی بجی تھی، آپ کمرے سے باہر چلے گئے تھے اور خاصی دیر بعد واپس آ کر آپ نے ہمیں بتایا تھا کہ کوئی شخص چندہ مانگنے آیا تھا۔۔۔"

پروفیسر آزاد نے اقرار میں گردن ہلائی۔ "بے شک لیکن وہ کم بخت چور صندوق وہیں دانش مند کے مکان میں چھوڑ آئے اور رارقن کی لاش لا کر مجھے دے گئے۔ ظاہر ہے وہ لاش میرے کسی کام کی نہ تھی۔ میں نے چوروں سے کہا کہ وہ دوبارہ جائیں اور لکڑی کا وہ صندوق بھی اُٹھا لائیں جس میں یہ لاش بند تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ اس کام کے لیے کچھ روپیہ اور دُوں گا۔ چناں چہ وہ رارقن کی لاش کا تابوت بھی اُٹھا لائے اور مجھے ٹیلے فون کیا کہ تابوت آ گیا ہے۔ یہاں آ کر وصول کر لو۔ اس کے بعد کے واقعات آپ کو معلوم ہی ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکا حامد اور اس کا ساتھی ابراہیم اس معاملے میں بے قصور ہیں۔" دانش مند نے کہا۔

”جی ہاں۔ ان کا اِس چوری سے کوئی تعلّق نہ تھا۔ پروفیسر آزاد نے جواب دیا۔

”مگر وہ اپنے طور پر رااِر قن کی لاش حاصل کرنے کی تگ و دو میں ضرور لگے ہوئے تھے۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ کہ یاد ہو گا کہ انہی میں سے کسی ایک نے گیدڑ دیوتا اینوبس کا روپ دھار کر نادِر خان کو ڈرایا تھا۔ میرا اندازہ ہے، یہ کام ابراہیم کا تھا۔ پروفیسر آزاد، مہربانی کر کے ذرا اس سائنسی ذریعے کی وضاحت کیجیے جس سے آپ رااِر قن کے منہ سے پیغام سُنوایا کرتے تھے؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔۔ بڑی آسان بات ہے۔“ پروفیسر آزاد کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مُسکراہٹ پھیل گئی۔ ”میں نے امریکا سے ایک الیکٹرانک آلہ منگوایا تھا۔ اس میں یہ خوبی ہے کہ ایک خاص فاصلے تک آواز کی لہریں پوری قوّت سے پھینک کر انہیں ایک جگہ جمع کر دیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مائیکروفون سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ میں نے وہ پُراسرار پیغام اپنی ہی آواز میں ریکارڈ کر رکھا تھا اور دُوربین لے کر

پروفیسر دانش مند کے مکان کے اس کمرے کی نگرانی کرتا رہتا تھا۔ جب میں دیکھتا پروفیسر دانش مند اکیلا اس کمرے میں ہے تو ٹیپ ریکارڈر چلا کر اس کا سلسلہ الیکٹرانک آلے سے جوڑ دیتا۔ میرا یہ پیغام لہروں میں بدل جاتا اور ٹھیک اسی کمرے میں فضا میں گونجنا شروع کر دیا جہاں راارقن کی لاش پڑی تھی۔"

"خدا کی پناہ! تم نے ہمیں کیسا بے وقوف بنایا۔" پروفیسر دانش مند نے کہا۔

"میں نے اس پر غور کیا تھا اور میں کسی حد تک راز پالینے میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔" عنبر نے کہا "ہر انسان ذرا سی مشق کے بعد اپنی آواز کی لہریں ایک خاص حد تک پہنچا سکتا ہے، یعنی اس کی آواز وہیں سے آتی ہوئی سنائی دے سکتی ہے جہاں وہ لہریں جمع کر دے۔ یہ ایک سائنسی اصول ہے اور وہ الیکٹرانک آلہ اِسی اصول پر بنایا گیا ہے۔ مجھے ایک ایسے شخص کو دیکھنے کا اتّفاق ہوا ہے جو جانوروں کی بولیاں بولنے کا بڑا ماہر تھا۔ جب وہ طوطے کی بولی بولتا تو سُننے والوں کو یوں محسوس ہوتا جیسے طوطا کمرے کے روشن دان پر بیٹھا بول رہا ہے، یا کتّے کا پِلّا نالی کے اندر چھپا ہوا ٹیاؤں ٹیاؤں کر رہا ہے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ جانوران کی بولیاں بولنے والے اس باکمال شخص کے ہونٹ بھی ہلتے دکھائی نہ دیتے تھے اور نہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ آواز اس کے حلق سے نکل رہی ہے۔ اسے اپنی آواز کی لہروں پر اس درجے قابو تھا کہ جہاں سے وہ چاہتا، سُننے والوں کو آواز وہیں سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔"

پروفیسر آزاد نے تعجّب سے عنبر کو دیکھا اور بولا۔ "میاں صاحب زادے، خدا نظرِ بد سے بچائے۔ بڑے ذہین معلوم ہوتے ہو۔ ایک دن بہت نام پاؤ گے۔ میری خواہش ہے کہ الیکٹرانک آلہ میں تحفے کے طور پر تمہیں دوں۔ کیا تم ایک مجرم کی جانب سے یہ تحفہ قبول کرنا پسند کرو گے؟"

"یقیناً۔ وہ میرے لیے بڑے کام کی چیز ہو گی۔" عنبر نے کہا۔ "مگر شرط یہ ہے کہ پروفیسر دانش مند ہمیں اجازت دے دیں۔"

"میں آپ سے اپنی اس حرکت کی پھر معافی چاہتا ہوں، پروفیسر۔ خُدا کے لیے مجھے معاف کر دیجیے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان ہیروں کا ذکر کسی اور سے نہ کروں گا۔ اب یہ آپ کی ملکیّت ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔" دانش مند نے جواب دیا۔ "میں ہیرے اور راارقن کی لاش تابوت سمیت حکومتِ مصر کو واپس کر دوں گا۔ اس خزانے پر اُسی کا حق ہے، کیوں کہ یہ ان کی سرزمین سے برآمد ہوا تھا۔ جہاں تک تمھیں معاف کر دینے سوال ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ محض ان ہیروں کے لالچ میں تم سے یہ جرم سرزد ہوا۔ چُوں کہ تمھارا باپ میرا بہترین دوست اور پُرانا ساتھی تھا، اور وہ راارقن کی لاش دریافت کرنے کی مہم میں میرے ساتھ رہا اور انھی ہیروں کے لالچ کی وجہ سے قتل ہوا، اس لیے میں تم پر رحم کھاتے ہوئے معاف کرتا ہوں۔ مگر ان دونوں چوروں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا، جنھوں نے میرے مکان میں داخل ہو کر راارقن کا تابوت اور لاش چرائی؟"

"اگر آپ ان چوروں کو پولیس کے حوالے کریں گے تو پھر میں کہاں بچ سکوں گا۔" پروفیسر آزاد نے کہا۔ "جب ان چوروں کی پولیس والے چمڑی اُدھیڑیں گے تو وہ میرا نام بھی لیں گے اور مجھے بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔"
"یہ ٹھیک کہتے ہیں، پروفیسر صاحب۔" نسیم نے کہا۔ "ان کے ساتھ ساتھ

ان چوروں کو بھی جانے دیجیے۔ پولیس ویسے بھی اِن کی تلاش میں ہو گی۔ بچ کر کہاں جائیں گے۔ کبھی نہ کبھی پکڑے ہی جائیں گے۔ میرا خیال ہے یہ سارا اسٹور چوری کے مال ہی سے بھرا پڑا ہے۔ ہاں، یہ بات غور کرنے کی ہے کہ حامد اور ابراہیم کو اس سلسلے میں کیا بتایا جائے اور کیا نہ بتایا جائے!"

عنبر نے کہا۔ "انہیں صرف اتنا بتایا جائے کہ رار قن کی لاش اور تابوت ڈھونڈ لیے گئے ہیں اور چُوں کہ یہ مصری حکومت کی ملکیّت ہیں اور اُسی کو واپس کیے جا رہے ہیں، اس لیے وہ مصری حکومت سے بات کریں۔ اگر مصری حکومت ان کا یہ دعویٰ مان لیتی ہے کہ تین ہزار برس پہلے رار قن نام کا کوئی شخص اُن کے دادا کے دارا کے دادا کے دادا کا دادا رہ چکا ہے اور وہ رار قن کی لاش تابوت سمیت حامد کے والد کو دینے کے لیے تیّار ہے تو ہمیں بھلا کیا اعتراض۔ اگرچہ ہمیں اب پروفیسر آزاد بتا ہی چکے ہیں کہ یہ کہانی انہوں نے حامد کے باپ کو بہکانے کے لیے گھڑی تھی۔"

"مگر جناب ہم نے جو اتنی بھاگ دوڑ کی، اپنی جانیں خطرے میں ڈالیں،

اس کا معاوضہ کون دے گا؟" نسیم نے سنجیدگی سے کہا۔ پروفیسر دانش مند نے ہنستے ہوئے گردن ہلائی اور پھر بولے:

"ہاں ہاں۔ بولو، کہو تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ بے شک تم لوگوں کی وجہ سے یہ معمّا حل ہوا ہے۔ تم واقعی انعام کے مستحق ہو۔"

"بس تو ٹھیک ہے، جناب۔ ان ہیروں میں سے دو دو ہیرے ہم تینوں کو عطا فرمایئے۔" نسیم نے کہا۔ "باقی اللہ اللہ خیر صلّا۔"

اس کے اس جملے پر سب نے قہقہہ لگایا۔

پروفیسر آزاد کا قہقہہ سب سے اُونچا تھا۔

ختم شد